

TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222503

UNIVERSAL
LIBRARY

۱۹۱۵ء ۳۱۶ ت - ۴

۱۳۳۰۶ تلکون چند، ملشی
مجموعہ کلام معروف، کتب خانہ

۲۵-۲-۵۴ p. ۵۱

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۹۳۱۶

Accession No. ۱۳۳۰۶

Author

ت. م.

تتو ک چند ۱۳۳۰۶

Title

مجموعہ کلام محروم موقوفہ گنج عثمانی

This book should be returned on or before the date last marked below

مجموعہ کلام محروم

معروف بہ

گنج معانی

Printed 1975

جناب منشی تلوک چاند صاحب محروم بی۔ اے
کی
اخلاقی۔ ادبی اور نیچرل نظمیں

۱۹۳۲ء

میسرز عطر حید کپور اینڈ سنز پبلشرز انارکلی لاہور

اپنے مطبع کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام لالہ گوراندا کپور میجر چھپوایا

پبلشرز
لاہور

بار اول

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	زمزمہ توحید	۱	۲۳	شیخ سحر	۷۳
۲	تراۃ وحدت	۵	۲۴	فریاد یتیم	۷۹
۳	قوی تو ہے	۶	۲۵	شکوہ عباد	۸۵
۴	یہ کس کے جلوے ہیں سارے	۸	۲۶	بلبل کی فریاد	۹۰
۵	خطا کس کی ہے	۹	۲۷	چڑیا کی زاری	۹۵
۶	کشف حقیقت	۱۶	۲۸	پھلی کی یتابی	۱۰۰
۷	سرورِ ازل	۲۰	۲۹	کو لھو کا بیل	۱۰۵
۸	گور و نانک دیو	۲۲	۳۰	یادِ ایام	۱۱۰
۹	مبارک بادِ نوروز	۲۵	۳۱	کبھی کی یاد	۱۱۲
۱۰	ہمانا بھ	۲۷	۳۲	محبت کے کرشمے	۱۱۶
۱۱	سرورِ جہان آبادی	۳۱	۳۳	موہنی	۱۲۰
۱۲	فلکِ اھری ہے جامِ میرا	۳۷	۳۴	درسہ کی یاد	۱۲۵
۱۳	بزمِ سہا	۳۸	۳۵	اپنا گھر	۱۲۹
۱۴	ایک آرزو	۴۰	۳۶	سرورِ قناعت	۱۳۳
۱۵	دل سے دو دو باتیں	۴۳	۳۷	بچے	۱۳۴
۱۶	موت	۴۷	۳۸	بچے کی مسکراہٹ	۱۳۷
۱۷	موت کا موسم	۵۶	۳۹	عجیب و غریب	۱۴۰
۱۸	بوسے غل	۵۹	۴۰	نیند	۱۴۳
۱۹	انجامِ گل	۶۱	۴۱	انقلاب	۱۴۵
۲۰	ایک فائدان کی قریں	۶۴	۴۲	کیا سے کیا	۱۴۶
۲۱	سبزۂ نو	۶۸	۴۳	بارِ آستین	۱۴۷
۲۲	ایامِ غم	۷۲	۴۴	شاعر اور شاعری	۱۵۲

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۳۱	ترانہ بسنت نمبر ۱	۶۹		مناظر قدرت	
۲۳۲	پھر بسنت آیا	۷۰	۱۵۷	صحرا	۲۵
۲۳۶	پنجاب کے میدان	۷۱	۱۶۰	آندھی	۲۶
۲۳۹	شملہ	۷۲	۱۶۵	عالم آب	۲۷
۲۴۳	عدم صحرا	۷۳	۱۶۸	بلبلہ	۲۸
۲۵۳	ویران کشیا	۷۴	۱۷۲	سندھ کو پیغام	۲۹
۲۵۸	سیتا جی کی فریاد	۷۵	۱۷۶	کنار راوی	۵۰
۲۶۳	اجماز عصمت	۷۶	۱۸۱	گنگا جی	۵۱
۲۶۶	راون کا ماتم	۷۷	۱۸۴	ہلال عید	۵۲
۲۷۳	خدا کی امانت	۷۸	۱۸۷	ماہ تاباں	۵۳
۲۷۷	پرانام کرتے ہوئے	۷۹	۱۹۱	وقت سحر	۵۴
۲۷۹	دنیا دار الغرور	۸۰	۱۹۵	بند رابن کی ایک صبح	۵۵
۲۸۳	جگانے کی گھڑی	۸۱	۱۹۸	بانہری کی کوک	۵۶
۲۸۶	گوشہ تنہائی	۸۲	۲۰۰	صبح کے ستارے	۵۷
۲۹۰	علم رباعی	۸۳	۲۰۲	نمودِ شام	۵۸
۲۹۸	ترغیب سفر	۸۴	۲۰۴	شفقِ شام	۵۹
۳۰۲	شراب	۸۵	۲۰۶	فصل خزاں	۶۰
۳۰۵	بھجے	۸۶	۲۰۸	رخصتِ سرا	۶۱
۳۰۶	نوجوانو شراب سے بچنا	۸۷	۲۱۲	نوائے بہار	۶۲
۳۰۷	دور بگی زمانہ	۸۸	۲۱۴	نسیم بہار	۶۳
۳۰۹	استاد	۸۹	۲۱۸	فصل بہار	۶۴
۳۱۱	بچوں کا ہفتہ	۹۰	۲۲۰	تصویرِ بہار	۶۵
۳۱۵	حسن اور زیور	۹۱	۲۲۲	ابر بہار	۶۶
۳۱۶	خیال	۹۲	۲۲۵	باد بہاری کلی	۶۷
۳۱۸	حیاتِ جاوید	۹۳	۲۲۹	ترانہ بسنت نمبر ۲	۶۸

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۵۴	بدبیرشت	۱۱۸	۳۲۰	سیرِ گلستان	۹۴
"	قدرِ شے	۱۱۹	۳۳۱	بادشاہوں کی مصائب	۹۵
"	کارِ حق	۱۲۰	۳۳۵	رحم	۹۶
۳۵۵	لہو بازی	۱۲۱	۳۳۷	پیٹ اور دیگر اعضائے تن	۹۷
"	اصلِ عادت	۱۲۲	۳۳۹	نیرنگِ تختیل	۹۸
"	بیمارِ الفت	۱۲۳	۳۴۰	ضمیر	۹۹
۳۵۶	حاصلِ زبان	۱۲۴	۳۴۱	افسانہٴ غم	۱۰۰
"	ادائیگیِ حق	۱۲۵	۳۴۲	نغمہٴ آسمانی	۱۰۱
"	دنیا کا سودا	۱۲۶	۳۴۳	تقدسِ نغمہ	۱۰۲
۳۵۷	خونِ گرم	۱۲۷	۳۴۴	نقصیت	۱۰۳
"	تلمیس	۱۲۸	۳۴۶	صادق دوست کی پہچان	۱۰۴
"	آمدِ غم	۱۲۹	۳۴۷	قرائن	۱۰۵
۳۵۸	غم	۱۳۰	۳۴۸	تسمیں کون کھا ہے ؟	۱۰۶
"	تکلف	۱۳۱	"	بحرِ حیات میں ایک دو	۱۰۷
۳۵۹	خوابِ جہانگیر	۱۳۲	۳۴۹	جولیس سیزر کی لاشیں پریم	۱۰۸
۳۶۳	نورِ جہاں کا مزار	۱۳۳	۳۵۰	مارک انٹونی کی زبانی	۱۰۹
۳۶۸	مرزا غالب	۱۳۴	۳۵۱	القاب شاہی	۱۱۰
۳۷۱	نوحہٴ وفات	۱۳۵	۳۵۲	بزدلی	۱۱۱
۳۷۷	غمِ نادر	۱۳۶	۳۵۳	دوستوں کی زبانی پیغام	۱۱۲
۳۸۱	نوحہ	۱۳۷	۳۵۴	ففتولِ خوابشات	۱۱۳
۳۸۷	نوحہٴ بردفاتِ حسرتِ آیاتِ جنابہ	۱۳۸	۳۵۵	غازہٴ زر	۱۱۴
"	لیڈی ہارڈنگ صاحبہ آنجنہانی	۱۳۹	۳۵۶	سلمقین صبر	۱۱۵
۳۹۰	ماتمِ طالب	۱۴۰	۳۵۷	طاقت اور استعمال	۱۱۶
۳۹۵	نوحہٴ یکبست	۱۴۱	۳۵۸	سنبھم	۱۱۷
۴۰۰	ماتمِ گرامی	۱۴۲	"	محنت اور عشرت	۱۱۸

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۸۴	دربار دہلی کی آمد	۱۶۶	۴۰۴	۱۳۲	قطعہ تاریخ
۴۹۰	تہنیت دربار دہلی	۱۶۸	۴۰۷	۱۳۳	لوفان غم
۴۹۶	مادر مجبور	۱۶۹	۴۰۸	۱۳۴	اشک حسرت
۵۰۱	پیغام شہنشاہی	۱۷۰	۴۱۶	۱۳۵	دروناک منظر
۵۰۳	تقریظ منظوم	۱۷۱	۴۲۰	۱۳۶	کسی کے پھول
۵۰۶	قطعہ	۱۷۲	۴۲۲	۱۳۷	مردوار سے واپسی پر
۵۰۷	اظہار غم	۱۷۳	۴۲۳	۱۳۸	قطعہ
۵۱۲	شام جدائی	۱۷۴	۴۲۸	۱۳۹	نومبر کی ایک صبح
۵۱۳	بچوں کی موت	۱۷۵	۴۳۲	۱۴۰	سارس کا جوڑا
۵۱۶	دقینیات (تہنیت فرور)	۱۷۶	۴۳۳	۱۴۱	تمنائے محروم
۵۱۹	دو کس ہند	۱۷۷	۴۳۶	۱۴۲	اب کے بھی دن بہار کے پوچی گز گئے
۵۲۱	امام ہند	۱۷۸	۴۴۱	۱۴۳	ناپائیدار رشتے
۵۲۴	تخلیق مقاصد	۱۷۹	۴۴۴	۱۴۴	سوز دل
۵۲۶	چوئے تالاں	۱۸۰	۴۴۷	۱۴۵	روزہ کی بیشد محروم شام گزار
۵۲۸	بنت کے بندے	۱۸۱	۴۵۰	۱۴۶	رباعیات
۵۳۰	پدمیز گاری	۱۸۲	۴۵۲	۱۴۷	تفہین
۵۳۱	سبوتے دوست	۱۸۳	۴۵۳	۱۴۸	قطعہ
۵۳۳	سخت ناواں	۱۸۴	۴۵۴	۱۴۹	تقریبات
۵۳۵	تفہین	۱۸۵	۴۵۵	۱۵۰	سلام و پیام
۵۳۷	جرم ہند	۱۸۶	۴۶۰	۱۵۱	پیام شوق
۵۳۸	رباعیات و قصائد	۱۸۷	۴۶۵	۱۵۲	سہرا
۵۳۹	داغِ غن از جناب اکبر الہ آبادی	۱۸۸	۴۶۸	۱۵۳	رنگس کے پھول
۵۴۹	شکریہ داد سخن از محروم	۱۸۹	۴۷۱	۱۵۴	دہلی میں کیا دیکھا
۵۵۰	رباعیات	۱۹۰	۴۷۴	۱۵۵	جو بجھے منظور ہو گئے خدا منظور
۵۵۵	قطعہ	۱۹۱	۴۷۵	۱۵۶	قصیدہ

دیباچہ

از

آنریبل خان بہادر سر شیخ عبد القادر جونی۔ اے

بیرسٹرائٹ لا۔ ۶۔ جج ہائی کورٹ پنجاب

میرے قدیم کرم فرما جناب تلوک چند صاحب محروم اپنے متخلص
کی مناسبت سے دنیا کی بعض اور نعمتوں سے محروم رہے ہوں۔ تو
اور بات ہے مگر خدا داد لطف سخن اور موزوں بیے طبع سے انہیں
حصہ وافر ملا ہے۔ اور ان کا کلام خلعت قبول عام سے محروم نہیں
رہا۔ بڑے بڑے سخنوروں نے ان کی شاعری کو سراہا ہے۔ اور ان
کے حسن بیان کی تعریف کی ہے۔ شائقین ادب اُردو و سنسکرت خوش
ہونگے۔ کہ کلام محروم جو اس وقت تک بیشتر ادبی رسائل کے اوراق

میں اور کچھ حصّہ مُصنّف کے مسودوں میں محفوظ تھا۔ ایک ونچسپ مجموعے کی شکل میں شائع ہو رہا ہے۔ یہ مجموعہ میرے سامنے ہے۔ اور میں جناب مُصنّف کا شکر گزار ہوں۔ کہ اُنہوں نے اشاعت سے پہلے اپنی کتاب کا ایک نسخہ مجھے عنایت کیا۔ اُنکی خواہش ہے کہ میں اس کتاب کا مختصر سا ویساچہ لکھوں +

یہ فرمائش اُن تعلقات کی بنا پر کی گئی ہے جو سالہ مخزن کے دورِ اوّل کے زمانہ سے میرے اور جناب محروم کے درمیان قائم ہیں۔ آپ کی کئی نظمیں پہلے مخزن میں شائع ہو کر مقبول ہوئیں۔ الفاظ کی جستگی، بندش کی جُستی، خیالات کی پاکیزگی حضرت محروم کے اشعار کی خصوصیات ہیں۔ مگر ان کی شاعری کا جو نصف مجھے خاص طور پر پسند ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس میں صلح و محبت کی تلقین ہے۔ دُشیا کے سب بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کی خوبیاں جناب محروم کے پیش نظر ہیں۔ وہ چاہتے ہیں۔ کہ ہندوستان والے سب کو عزّت کی نگاہ سے دیکھیں۔ اور ان

کی بیش بہا زندگیوں سے سبق حاصل کریں *

ایک اور چیز جو ان کے کلام میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ وہ کیفیتِ غم ہے۔ بہار ہو یا خزاں۔ قدرت کے ہر منظر کو دیکھ کر ان کے دل کا کوئی نہ کوئی زخم تازہ ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے قدرت نے درد و گداز طبیعت میں حد سے زیادہ رکھا تھا۔ اس پر بعض ذاتی صدمات ایسے پیش آئے کہ شاعر سراپا درد ہو گیا + ان صدموں میں سے سب سے زیادہ اثر اس جاں کاہ زمانے کا ہے جب محروم کی جہان بیوی شادی کے چند سال بعد ایک ننھی سی لڑکی چھوڑ کر اس دُنیا سے چل بسی۔ اس کو بسترِ مرگ پر دیکھ کر جو کچھ ان کے دل پر گزری۔ ننھی سی بیٹی کی بے بسی سے جو رنج ہوا۔ اپنی خانہ دیرانی کا جو مسلسل نقشہ آنکھوں میں پھرا۔ یہ سب کیفیتیں نہایت درد بھرے لفظوں میں بیان ہوئی ہیں۔ اور اس حصے کا عنوان ”طوفانِ غم“ ہے۔ ان نظموں میں سے ایک میں سب دُنیاوی رشتوں کی ناپائیداری کا بیان کرتے

ہوئے کوششِ صبر کے باوجود اپنی مجبورانہ اشکباری کا ذکر ان شعر میں کیا گیا ہے ۔ ۵

کتنے ہی استوار ہوں، ٹوٹیں گے ایک دن
رشتے یہ جتنے اُلفت و مہر و وفا کے ہیں
مُحروم ! یہ تو مجھ کو بھی معلوم ہے کہ ہم
جو کچھ ہیں چلتے پھرتے کھلونے قضا کے ہیں
کرتا ہوں میں تو صبر بھی اور دل پہ جبر بھی
اشکوں کو کیا کروں ؟ کہ یہ خود سرِ بلا کے ہیں

یہ درو اور اپنے نقصان کا احساس یہیں ختم نہیں ہو جاتا ۔
بلکہ کانٹے کی طرح ہر جگہ دل میں چُجھتا رہتا ہے ۔ شاعر کنارِ راوی
پر بیٹھا ہے ، قدرت اپنے دلچسپ نظارے دکھلا رہی ہے مگر
مغموم آنکھ اپنے غم کے سبب ان نظاروں کے حُسن
کا طُف نہیں اٹھا سکتی ۔

چُنا چُخہ یہ اشعار ملاحظہ ہوں :-

آنکھ کھولی اور سناروں نے جلوے دکھلائے ماہ پاروں نے
گو اشارے کئے ہزاروں نے آنکھ اٹھائی نہ غم کے ماروں نے

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے

میں ہوں اور میری سبند کوئی ہے

”فصلِ بہار“ پر نظم لکھی جا رہی ہے بہار کی کیفیت کا نقشہ

نہایت خوبی سے کھینچ رہے ہیں۔ کہ بیکایک اپنا غم یاد آ جاتا ہے۔

اور نظم اس بند پر ختم ہوتی ہے ۵

آبد گل کا ہلکوا احساس؟ دل ہے پہلوئیں کب گشتہ ویاس

یہ جو نالے ہیں زینتِ قرطاس ہے فقط اپنی شاعری کا پاس

درد نہ ہلکوا خزاں بہار ہے ایک

برگِ گل اور نوکِ خار ہے ایک

محروم کی درد بھری طبیعت دُشوروں کے درد کو بھی معمول سے

زیادہ محسوس کرتی ہے۔ اُنہوں نے اپنے بعض ہمعصروں کے

بے وقت انتقال پر آنسو بہائے ہیں۔ جن میں سچی محبت اپنا

جلوہ دکھا رہی ہے۔ مولانا گرامی، طالب، بنارس، سرور، جہان آبادی
 ناؤر کا کوری، چکبست لکھنوی وہ حضرات تھے جن کے اشعار
 کلام محروم کے ساتھ ساتھ بار بار زیبِ اوراقِ مخزن ہوئے
 محروم کو ان سے غائبانہ اُتش تھا۔ مگر دائے محرومی! کہ وہ یکے
 بعد دیگرے چل بسے۔ گرامی اور طالب تو خیر عمرِ طبعی کو پہنچ گئے
 تھے۔ گو ان کے جانے سے شاعری کو نقصان پہنچا۔ مگر سرور ناؤر
 اور چکبست جوانی میں اس جہان سے رخصت ہوئے۔ ان کی شاعری
 ابھی شباب پر تھی۔ کہ وہ اپنے بیشمار مذاہن کو داغِ مفارقت دے
 گئے۔

جو مثالیں اوپر درج ہوئیں۔ ان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے۔
 کہ شاعر صرف تصویرِ غم کھینچتے ہی میں اُستاد ہے۔ قوتِ سخن
 خوشی کے منظر دکھانے سے بھی قاصر نہیں۔ ”ہلالِ عید“ پر ایک
 دلکش نظم ہے تمہید کا چلبلا پن۔ اور اسلوبِ بیان قابلِ
 داد ہے۔

دیکھو دیکھو وہ میں نے دیکھ لیا۔ قلعہ کوہ سے ذرا اونچا !
 چھپ گیا چھپ گیا کیس دیکھو۔ پھر نظر آئی گا وہیں دیکھو !
 وہ جو ہے سامنے شجر دیکھو۔ اُس سے اوپر اٹھا نظر دیکھو !
 اے لو ! اے لو ! وہیں نظر آیا !

مردہ اے شائقین ! نظر آیا !
 بندر آبن میں صبح ہو رہی ہے۔ اس کا نقشہ ان الفاظ میں
 کھینچا ہے مناظر قدرت سے شاعر کی لچسپی اور ان کی تصویر کشی
 مگر رنگین الفاظ میں کھینچنا قابلِ توجہ ہے ۛ

صبح خنداں عروسِ تازہ	آئی مل کر شفق کا غازہ
آئی اور کس ادا سے آئی	شانوں پر کا کلیں طلائی
چہرہ اس کا وہ 'یعنی خوشید'	بے پردہ 'عدو حسرت دید'
ہر چیز کو پر تو سحر سے	قدرت نے رنگا ہے رنگِ زر سے

جمنّا ابھی خواب سے اٹھی ہے
 پیدا بشرے سے تازگی ہے

طبع زاد نظموں کے علاوہ محروم کی ہمہ گیر طبیعت نے چمن اُردو کی آرائش کے لئے ہر باغ سے پھول لئے ہیں۔ انگریزی میں شیکسپئر کے ڈراموں سے بعض دلچسپ اشعار ترجمے کے لئے انتخاب کئے ہیں۔ اور اُن کو اُردو کا لباس ایسی خوبی سے پہنایا ہے۔ کہ ان میں سے کئی پہچانے نہیں جاتے۔ کہ اصل میں یہ انگریزی نثر ہیں مثلاً شبّتم کے متعلق دو شعر ملاحظہ ہوں *

وہی شبّتم جو غنچے پر مثال گو ہر غلطاں
نظر آتی تھی اترائی ہوئی خود اپنی قسمت پر
برنگ اشک چشم شاہد گل میں نمایاں ہے
کوئی ہوا شکر یزاں جس طرح اپنی ندامت پر

چند صفحے ”سیر گلستان“ کے زیر عنوان ایسے ہیں جن میں حضرت سعدی شیرازی کی گلستان سے چند امیر اشعار کا سادہ ترجمہ آسان اُردو میں کر دیا ہے۔ مثلاً یہ شعر دیکھئے: ہ
لوگوں کی ملاقات کو جانا تو نہیں عیب x اتنا بھی نہ جاؤ کہ وہ کہیں کہ نہ آؤ

ایک اور شعر سندی کا ہے جو بے تکلف اُردو کے سانچے میں
ڈھل گیا ہے ۷

✓ پیچھے جو سنجھ کو چھوڑ چلا وہ شخص ترا ہمراہ نہیں
مت اُس سے لگا تو دل اپنا جس شخص کو تیری چاہ نہیں
محرّم نے چونکہ عمر بھر محکمہ تعلیم میں بسر کی ہے اس لئے
خود ان کے کلام میں بہت سے حصّے جو انوں اور بچوں کیلئے
نصیحت آمیز ہیں۔ آج کل نقادان فن کا میلان اس رائے کی
طرف ہے کہ نصیحت آمیز شاعری اصلی معنوں میں شاعری نہیں
ہوتی۔ اُن کے نزدیک شاعری جذبات کے طوفان بے پایاں کا
نام ہے۔ یا تخیل کی نزاکتوں اور معنی آفرینیوں کا۔ البتہ اگر کوئی
اُستاد معمولی مضامین میں بھی اپنی کاریگری سے رنگ بھرے تو
وہ پشہ آمیز کلام کا رتبہ بلند کر دیتا ہے۔ محرّم جابجا اس فن میں
کامیاب ہوئے ہیں۔ گو کہیں کہیں نصیحت صرف منظوم نصیحت
رہ گئی ہے۔ پشہ رنگین کا نمونہ دیکھنا ہو۔ تو ایک نظم دیکھئے جس

میں شراب کی مذمت کی گئی ہے۔ شراب کی تحریف میں تو بہت سی رنگین شاعری ہو چکی ہے۔ اب مذمتِ شراب میں محروم کی طبیعت کا رنگ دیکھئے ۵

فریبِ دہرے تدبیرِ جانستانی کی
 کہ شکلِ آگے کی اختیارِ پانی کی
 ہستہِ غریبہ حور ہے نہ یہ کوئی پری ہے شیشے میں
 رہے خیال کہ آتش بھری ہے شیشے میں
 ایک نظم ”اُستاد“ کے عنوان سے لکھی ہے۔ اس کے دو
 شعر قابلِ ملاحظہ ہیں۔ ایک میں کس سچائی سے تعلیم کی صحیح تحریف
 بیان کی گئی ہے۔ دوسرے میں واقعاتِ حاضرہ پر دو مصرعوں کے
 ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے ۵

زبانیں فطرتِ انسان میں جو ہر عالی
 ہنر سے اپنے ہے کرتا انہیں عیاں اُستاد
 دلوں کی ہوتی تھی تعلیم فیضِ دل سے کبھی
 زباں ہی آج تو شاگرد ہے زبانِ اُستاد

میں نے چند نظموں کے نمونے پیش کئے ہیں۔ ان کی رنگا رنگی اصل مجموعہ میں نظر آئیگی جس میں ہر مذاق کے لئے دلچسپی کا سامان موجود ہے۔ مما تمابذہ ایوان شاہی سے رخصت ہو رہے ہیں۔ یہ سین بہت خوبی سے نظم کیا گیا ہے۔ رامائن سے ایک سین لیا ہے۔ اور رام چندرجی کے بن باس کا نقشہ دکھایا ہے۔ رباعیات ہیں۔ قطعات ہیں۔ تصدوت اور معرفت کا رنگ بھی موجود ہے۔ اس کی دو مثالیں درج کرتا ہوں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کی نگاہ قدرت کے گونا گوں نظاروں سے کس طرح اپنے فطرتی وجدان کو بڑھاتی ہے ۛ

۱ چمن میں، دشت میں، وادی میں، کوہ و صحرا میں
 کھڑ میں، اولے میں، شبنم میں، ابر و دریا میں
 شرریں، شعلے میں، آتش میں، برق سینا میں
 شمیم گل میں، نسیم مسرت افرا میں
 یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں۔

۲- آبشاروں کا ترنم ترے بہلانے کو
 لالہ زاروں کا تبسم ترے بہلانے کو
 دن کو ہنگامہ مروت ترے بہلانے کو
 رات کو محفل انجم ترے بہلانے کو
 مجھ کو دی تاب تکلم ترے بہلانے کو
 اب بھی شاداں نہ ہو اے دل! تو خطا کس کی ہے ؟

— * —

اس تقریب کو ختم کرنے سے پہلے میں دو باتیں خاص طور پر
 بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ جناب محروم اُن ہندوادیہوں
 میں سے ہیں جنہوں نے اپنی عمر بھر کی محنت سے یہ ثابت کیا
 ہے کہ اُردو ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک بیش قیمت سرمایہ
 ہے جس سے دونوں کو فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ اور جس کی خدمت
 دونوں کے ذمے ہے۔ خدا کرے کہ آپ دیر تک اُردو کی خدمت
 کے لئے زند و سلامت رہیں۔ دوسری بات قابل ذکر یہ ہے

کہ ہم اس امر پر فخر کر سکتے ہیں کہ محروم کا زاد بوم سرزمینِ پنجاب
 ہے جس نے جب تک انہیں دیکھا نہ تھا۔ اور خط و کتابت کے
 ذریعے انہیں جانتا تھا۔ تو ان کے کلام سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ
 صوبہ جات متحدہ کے کسی حصے کے رہنے والے ہیں جب ملاقات
 ہوئی تو پتہ چلا کہ پنجاب کے اُس گوشے کے رہنے والے ہیں۔
 جہاں اُردو کا چرچا بہت کم ہے۔ ضلع میاؤں والی آپ کا مسکن
 ہے۔ اُس جنگل میں خدا نے وہ خود رو پھول پیدا کیا۔ جس کی نشو
 و نما اور لکھنؤ تک پھیلی۔ جناب محروم کے کلام کے متعلق
 حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم نے یہ رباعی لکھ کر انکی طباعی
 کی تعریف کی تھی :-

ہے داو کا مستحق کلام محروم لفظوں کا جمال اور معانی کا ہجوم
 ہے اُن کا سخن مفید و انش آموز انکی لفظوں کی ہے بجا ملک میں مہم
 محروم نے اس داو کا شکر یہ ایک رباعی میں ادا کیا ہے
 وہ لکھتے ہیں :-

طبعِ موزوںِ خداے برتر سے ملی تاثیرِ کلامِ قلبِ مضطر سے ملی
 آیا مجھ کو یقین کہ شاعر ہوں میں! جب داؤ سخنِ جنابِ الہ سے ملی
 میں نے شملے کے مُشاعرے میں اور اس کے بعد لاہور
 کے بعض مُشاعروں میں جنابِ محروم کو پڑھتے سنا ہے۔ اُن کا
 لہجہ سرحدی علاقے کا لہجہ ہے۔ گو ان کا پڑھنا ایک خاص
 انداز رکھتا ہے۔ مگر اے سُکران کی صفائیِ زبان پر اور
 بھی تعجب ہوتا ہے۔ اور ان کی کوشش اور کاوش کی داد دینی
 پڑتی ہے +

(سر) عبد القادر

حمد و معرفت

زمزمۂ توحید

ہر ذرّہ میں ہے ظُورِ تیرا ہے برق و شرر میں نورِ تیرا
 افسانہ تیرا جہاں تھاں ہے چہا ہے قریب و دُورِ تیرا
 ہر ذرّہ خاک میں ہے لعاں مخصوص نہیں ہے طُورِ تیرا
 مخارجِ شراب و جامِ کب ہے جس دل کو ہوا سرورِ تیرا
 گاتے ہیں سحرِ ہوا میں کیا کیا دم بھرتے ہیں سب طُورِ تیرا

تُو جلوہ فگن کہاں نہیں ہے

وہ جا نہیں، تُو جہاں نہیں ہے!

تاروں میں چمک دمک تری ہے جو رعد میں ہے کڑاک 'تری ہے
 اے باعثِ رونق گلستاں شاخوں میں لہک لپک تری ہے
 ہر غنچے میں ہے ترا تبسم ہر گل میں بھری مک تری ہے
 نغمے مرغانِ خوش گلو کے کہتے ہیں یہ سب چمک تری ہے
 کنتی ہے کلی کلی زباں سے میری یہ نہیں چٹک 'تری ہے

بشگفتہ ہے تو چمن چمن .. ہر

خنداں ہے گلاب ویا من میں

خوبوں میں ہے تیرا حُسنِ رعنا ہر ایک حبیب ادا کا پُستلا
 نوکِ مژہ میں تری خلش ہے عشاق کے دل میں ہے جو کانشا
 تیکھی چتون، کیٹلی آنکھیں گردن میں نہ ہو تو کارِ فرما
 ہیں صورتِ نینغِ زنگ آلود جس کا نہ اثر ہو دل پہ اصلا
 اس چہرے میں سادگی ہے تیری چہرہ جو کوئی ہے بھولا بھالا

یکتائے زمانہ حُسن تیرا

عالم میں فسانہ حُسن تیرا

اے معنیٰ نازِ نازِ عیناں دے نورِ جبینِ مجہبیناں

عالم ہے نگارِ خانہِ تجھ سے اے مایہِ خوبیِ حسیناں

تیرے ہی یہ دلوں میں دل میں اے ذوقِ دلِ جمالِ بیناں

ہیں صبر و قرارِ تجھ سے قائم اے مرہمِ زخمِ غمِ قریناں

او وجہِ تسلیِ دلِ نازِ او موجبِ راحتِ حزیناں

پروانے کو تیری ہی لگن ہے

اور شمع میں تیری ہی جلن ہے !

ناؤں میں تُو، ازاں میں تُو ہے ہر شور میں، ہر فغاں میں تُو ہے

گنگا میں ہیں اُٹھتی تیری موجیں زفرم کی صفائے جاں میں تُو ہے

ہر قافلہ میں تری صدا ہے ہر منزل و ہر نشاں میں تُو ہے

ہے تیرے بغیر کون موجود ہے کوئی اگر جہاں میں تُو ہے

ہے دیر و حرم میں تیرا جلوہ القضہ مکان مکان میں تُو ہے

سجدہ ہے تراہراک کا مقصود

خالق تُو ہے سب کا اور معبود!

یہ کشمکش حیات کیا ہے تیرا ہو کرم تو بات کیا ہے

اے رہبرِ کاروانِ ہستی راہِ غمِ مشکلات کیا ہے

تُو جس کو دکھا دے اک تجلی کیا جانے وہ غم کی رات کیا ہے

جول گئے تجھ میں اُن کے آگے تمیزِ صفات و ذوات کیا ہے

جس نے تجھ میں سمائی پالی پھر اُس کو غمِ مات کیا ہے

ہر ذرے میں تیری جستجو ہے

محرّم کو بھی اک آرزو ہے!

ترانہ وحدت

ہے نظارہ عجیبت، کہ جہاں میں تُو ہی تُو ہے
 کہیں آب ہے گہریں، کہیں گل میں رنگ و بو ہے
 مہ و مہر میں درختاں، تو نجوم میں ہے تا باں
 ترا نور ہر طرف ہے، ترا جلوہ چار سو ہے
 دل سنگ میں شررتو، تو فلک پہ ہے قسرتو
 ہے زمین پہ جلوہ گر تو سر آسماں بھی تُو ہے
 تُو ہی بحر میں رواں ہے، تُو نسیم میں وزاں ہے
 تُو یہاں نہیں وہاں ہے، یہ فضول گفتگو ہے
 ترے شوق میں بہائے ہیں چمن نے اشکِ شبنم
 تو اسی سے اس کی رونق ہے، اسی سے آبرو ہے

تیرے عشق میں ہوا ہے گل تر جو چاک و اماں
 تو اسی لئے چمن میں وہ بہت شگفتہ رُو ہے
 وہ کرشمہ اب دکھا دے کہ رہے مری زباں پر
 ”مجھے تیری آرزو ہے!“ ”مجھے تیری آرزو ہے!“

تو ہی تُو ہے

(تضمین)

نہ دل میں وہ ہنگامہ آرزو ہے نہ آنکھوں میں بیتابی جستجو ہے
 نہ لب پر غم ہجر کی گفتگو ہے نہ وحشت نہ وہ شورشِ پاؤں ہو ہے
 جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے!

مہ و مہر کی جلوہ سامانیوں میں طیب و سحر کی نواخوانیوں میں
 فضا سے چمن کی گل افشانیوں میں ہواؤں میں نشکی میں آوِ پانیوں میں

چدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

شجر ہیں جحر میں گل و خار میں تو گلستاں میں تو، برگ اور بار میں تو
بیابان و صحرا و گلزار میں تو عیاں وادی و دشت و کسار میں تو

چدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

نہیں گو تہ قید مکان و زماں تو زمیں پر، فضا میں، سر آسماں تو
کہوں کیا کہاں ہے نہیں ہو کہاں تو نہاں تو عیاں تو بیاں تو وہاں تو

چدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

چدھر دیکھتا ہوں تجھے دیکھتا ہوں نظر حسنِ جانِ بخش پر تیرے منقوش
سرخاک و بالائے ایوانِ گردوں بصد جلوۂ ظاہر تری ذاتِ بچوں

چدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

راہِ سحر
عاشق

یہ کس کے جلوے ہیں سارے؟

فلک پہ مہر و مہ پڑھنیا کے جلوے ہیں
 زمیں پہ لالہ و گل کی ادا کے جلوے ہیں
 مہتابِ ہر دیش و مہ بقا کے جلوے ہیں
 قسمِ خدا کی! غضب کے بلا کے جلوے ہیں
 یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!
 بتاؤ مہرِ منور میں نور کس کا ہے؟
 میانِ انجسمِ تاباں نُور کس کا ہے؟
 یہ تجھ میں اے دلِ شاعر! سرور کس کا ہے؟
 دماغِ فلسفی! تجھ میں شعور کس کا ہے؟
 یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!

تجوّم شب میں بلند اخترِ اُسی کی ہے
 جو چاندنی میں ہے جاں پروری اُسی کی ہے
 ضیا ہر ایک کُڑہ میں بھری اُسی کی ہے
 اُسی کا نور ہے جلوہ گری اُسی کی ہے
 یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!
 دُہی ہے رعد میں، بجلی میں اور بادل میں
 اُسی کے دم سے ہے منگل ہر ایک جنگل میں
 اُسی کی بو ہے گلوں میں اسی کا رس پھل میں
 اُسی کی نگہ تتر ہے صبا کے آنچل میں
 یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!
 ہر ایک برگِ چمن اُس کا ہے پتا دیتا
 جو گل سے پوچھو، تو وہ بھی ہے مُسکرا دیتا

ہر ایک سز و جزا نگلی ہے یوں اٹھا دیتا
 نشان اُسی کا ہمیں ہے یہ بر ملا دیتا
 یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!
 اُسی کا داغ ہے لالے کے دل میں، دیکھو تو
 دُہی ہے دیدہ نرگس کے تل میں، دیکھو تو
 دُہی تو پھولوں کی ہے آب و گل میں، دیکھو تو
 لکھا ہے ہر ورقِ متصل میں، دیکھو تو
 یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!
 چمن میں، وشت میں، وادی میں، کوہ و صحرا میں
 کھڑے ہیں، اولے میں، شبنم میں، ابر و دریا میں
 شرر میں، شعلے میں، آتش میں، برقِ سینا میں
 شمیم گل میں، نسیمِ مسرتِ انزا میں

یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!

اُسی کے جلوے ہیں سارے، جو چشمِ بینا ہو

تمام ڈرے ہیں تارے، جو چشمِ بینا ہو

وہ روبرو ہے ہمارے، جو چشمِ بینا ہو

بشرِ زباں سے پکارے، جو چشمِ بینا ہو

یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!



خطا کس کی ہے؟

غنجہ و گل میں ذرا دیکھ ادا کس کی ہے؟

سبز و تر میں لہک کس کی؟ فضا کس کی ہے؟

سرورِ بجاں میں بھلا، نشو و نما کس کی ہے؟
 گمری سنہری جو ہے پتوں میں، تباہ کس کی ہے؟
 جلوہ فرمائی یہ سب اُس کے سوا کس کی ہے؟
 اب بھی شاداں نہ ہواے دل! تو خطا کس کی ہے؟
 گلِ شاداب کا شیدا ہے بہت تُو اے دل!
 ہنسنے والوں کی تجھے بھاتی ہے تُو بُو اے دل!
 جانفزا تیرے لئے رنگ ہے اور بُو اے دل!
 روز و شبِ جوشِ بہاراں ہے ہر اک بُو اے دل!
 کہیں نیلو فرخشاں، کہیں شب بُو اے دل!
 اب بھی شاداں نہ ہواے دل! تو خطا کس کی ہے؟
 ہے نظر پرورِ عشاقِ حلالِ جاناں
 جان لیستا نہیں، دیتا ہے ملالِ جاناں

سہری سا تجھے رہتا ہے خیالِ جاناں
 ورنہ مشکل نہیں اتنا تو وصالِ جاناں
 دُڑے دُڑے میں چمکتا ہے جمالِ جاناں!
 اب بھی شاداں نہ ہواے دل! تو خطا کس کی ہے؟
 چھپاتے ہیں پرندے چُنستا نوں میں!
 مائلِ رقص ہیں طاؤسِ خیابانوں میں
 جش ہیں چو کڑیاں بھرتے بیابانوں میں
 وہ بھی دلشاد ہیں جو رہتے ہیں ویرانوں میں
 تجھ کو اللہ نے پیدا کیا انسانوں میں
 اب بھی شاداں نہ ہواے دل! تو خطا کس کی ہے؟
 آبشاروں کا ترنم ترے بہلانے کو
 لالہ زاروں کا تبسم ترے بہلانے کو

دن کو ہنگامہ مردوم ترے بہلانے کو
 رات کو محفل انجم ترے بہلانے کو
 مجھ کو دہی تاب تکلم ترے بہلانے کو
 اب بھی شاداں نہ ہواے دل ! تو خطا کس کی ہے
 چاندنی تیرے لئے اُس نے بنا ٹی کیسی
 خاک کے فرش پہ چادر یہ بچھائی کیسی
 چرخ پر ماہ کی ہے جلوہ نمائی کیسی
 بُرخ پُر نور میں اس کے ہے صفائی کیسی
 دیکھ ! صانع نے یہ صنعت ہے دکھائی کیسی
 اب بھی شاداں نہ ہواے دل ! تو خطا کس کی ہے
 اور ایسے ہی ہزاروں ہیں نظارے دلکش
 جانفزا ایک سے اک ، جتنے ہیں سارے دلکش

آتشِ حُسن کے آدیکھ شرارے دلکش
 ہیں سرِ راض و سما پھول ستارے دلکش
 کتنے دلچسپ ہیں، کیسے ہیں یہ پیارے دلکش!
 اب بھی شاداں نہ ہواے دل! تو خطا کس کی ہے؟
 روزِ محرم ہی دُرس پڑھاتا ہو تجھے
 سیکھنے کی ہیں جو باتیں وہ سکھاتا ہے تجھے
 لے کے ہر روز جو دیرانے میں جاتا ہو تجھے
 مرحلے راہِ حقیقت کے دکھاتا ہے تجھے
 بات جو غیب سے سُنتا ہے، سُنتا ہے تجھے
 اب بھی شاداں نہ ہواے دل! تو خطا کس کی ہے؟

کشفِ حقیقت

یعنی

تضمین بر غزل جنابِ طالب بناری

تجھے منزلِ دہریں سوچ ذرا، یہ خیال ہے، خوفِ خطر ہی نہیں
 ترے سر پر تنی ہوئی تیغِ قضا، وہ ہو جس سے کسی کو مفر ہی نہیں
 ترا دامنِ گھر ہے یہ دارِ فنا، کہ سوا دقتِ پناہ نظر ہی نہیں
 سر کو چہِ حرص دہوا سے ترا، سوئے راہِ نجات گدہ ہی نہیں
 اسے جانے تو کیا اے اسیرِ بلا، تجھے آہِ جب اپنی خبر ہی نہیں
 یہ جو صدمہ دروِ فراق سہا، تو قصورِ اس میں ترا ہی ترا

تری عقل پہ پردہ کچھ ایسا پڑا، کہ خیال و عیاں دوانہ رہا
 یہ خودی نہیں موت سے، مردِ خدا، کہ یہ دیتی ہو جانِ جہاں کو چھپا
 جو خودی کے مرض سے رہے تُو جدا، تُو ہوسا منے جلوۂ نورِ خدا
 ابھی پردہ سُرخ وہ اُٹھا دے مگر، ترے جذبہٴ دل میں اثر ہی نہیں
 پئے عزت و شوکت و شہرت و زر، تُو جہاں میں پھرتا ہو خاکِ بسر
 ترے کیسے دل میں ہیں لعل و گہر، پونہی مٹی تُو اپنی خراب نہ کر
 تری آبرو ہے ترے پاس مگر، تجھے رازدوؤں کی نہیں ہونچر
 تجھے آبرو کا ہے خیال اگر، تو بھٹک نہ تُو بحرِ جہاں میں بشر
 کہ جو قطرہ صدف میں بناٹے نہ گھر، وہ گہر ہی نہیں و گہر ہی نہیں
 کبھی ابرِ کرم سے نہ بوند گری، ہوئی آہ! نہ شاخِ امید ہری
 ترے دل کی کلی نہ کھلی نہ کھلی، ترے باغ میں مویجِ صبا نہ چلی
 نظر آئی نہ مسجح وصال کبھی، شبِ غم نہ ٹلی، نہ ٹلی، نہ ٹلی

جسے ڈھونڈ رہا تھا حرم میں کبھی کبھی دیریں جس کی تلاش رہی
 رگِ جاں سے وہ تیری قریب رہا، تری آنکھیں نہیں نظر ہی نہیں
 تُو ہے مہرِ لکھنؤ، تجھ کو یہ کیا، کہ بصورتِ ذرّہ ہے جلوہ نما
 ترا آئینہ زنگ میں چھپنے لگا، اسے دے کے چلا دہی روپ دکھا
 تے سامنے ہی ہم صدق و صفا، یہیں غوطہ لگا، یہیں غوطہ لگا
 جو ہے قطرہ بحرِ عینِ بقا، تو بہ شکلِ حُباب نہ سر کو اٹھا
 کہ جو سیلِ طریقتِ حق میں بلا، وہ اٹھا سکے سر پہ جگر ہی نہیں
 نہ ہو شتہ تیغِ ثواب و خطا، نہ تڑپ نہ خنجرِ بسم و رجا
 نہ تو لنگ کو جانِ جن میں نہا، کسی دشت کی جا کے نہ خاک اٹھا
 نہ ہی بن میں تُو بیٹھ کے دھونی رما، نہ بدن پہ تُو اپنے بھوت لگا
 نہ تُو دیر و حرم کے طواف کو جا، نہ تُو صدمہ دُور و دراز اٹھا
 جسے دل کے وطن میں وہ یار ملا، اُسے حاجتِ رنجِ سفر ہی نہیں

نہیں طایع نیک جو ساقہ سدا، نہ نصیب ہما نہ قضا کی خطا
 تو ہے آپ ہی اپنا حُود ہوا، تجھے اپنے کئے کی ہے ملتی منزل
 تو اک ایسے عدو کو ہے پال رہا، ترے خونِ جگر سے ہو چکی غذا
 تے بریں جو مودی ہے نفسِ ترا، اُسے مار گرا، اُسے مار گرا
 یہ وہ بد ہے بلا، یہ وہ بد ہے بلا، کوئی مدعی اس سے بتر ہی نہیں
 اٹھو دیکھو جہاں خراب ہے یہ، نہیں زبیتِ خمارِ شراب ہے یہ
 نہیں منزلِ عیشِ جناب ہے یہ، اٹھو۔ جاگو کہ دارِ عذاب ہے یہ
 پڑھی جائے نہ ایسی کتاب ہے یہ، کہ ازل سے عدم کا جواب ہے یہ
 یہ گم تو نہیں ہے حُباب ہے یہ، یہ جہاں نہیں عالمِ خواب ہے یہ
 نہیں آب ہے بلکہ سُراب ہے یہ، اسے چھوٹے بغیر گذر ہی نہیں
 نہ بہا رِشا طود و روزہ پہ مر، کہ ہے باغِ جہاں میں خزاں کا گزر
 یلسم ہے سارا فریبِ نظر، نہ ہے غنچہ تر۔ نہ شجر۔ نہ ثمر

جو رکھے تو آبل جہاں کی خبر، تو اٹھائے کبھی نہ ملالِ ضرر
 رہا طالبِ عیشِ فنا تو اگر، تو حریمِ بقا کی امید نہ کر
 یہ وہ دام ہے جس سے گزر ہی نہیں، یہ وہ شام ہے جس کی سحر ہی نہیں



سرورِ ازل

شہنشاہِ بابر اور گورونانک دیو کا مکالمہ

بابر

ہماری بزمِ عشرت میں جو لے آیا خدا، بابا!

تو بسم اللہ! جامِ بادۂ احمر چٹھا، بابا!

جہاں میں آبِ رز سے کونسا ہے پاک تر پانی
 کہ دھل جاتا ہو جس سے دفترِ ما و شما، بابا!
 نہ میخانے کو دیکھا چاہئے چشمِ خفارت سے
 کہ ہوتی ہے یہیں سے بے خودی کی ابتدا، بابا!
 نہ یوں ہی میکشوں کو خاک پر بیٹھا ہوا دیکھو
 پہنچتی ہے نظر اُن کی سر فوق السما، بابا!
 صدا حق حق کی سنتے ہیں سدا وہ شیشہ مے سے
 اسی سے دل ہیں رندوں کے حقیقت آشنا، بابا!
 صُراحی کھولتی ہے رازِ دل جب بانگِ قُلقل سے
 فلک سے ہیں پکارا اٹھتے ملائک مرجا، بابا!
 نہ ہو گلبانگِ مستوں کی تو دُنیا بزمِ ماتم ہے
 ہمارے دم سے کچھ کچھ زندہ ہے دار الفنا، بابا!

غنیمت جان کر صحبت کو اک دو جام پیتا جا!
میان محفل زندان دُرد آ شام پیتا جا!

گورونانک دیو

مبارک ہوئے احرار تجھے صاحبِ قراں تیری
رکھے بس سُرخِ روئے تجھ کو شرابِ ارغواں تیری
دلِ فرخندہ تیرا واقفِ رمزِ حقیقت ہے
اگر ہے تر جانِ دلِ حقیقت میں زباں تیری
مگر جب کیفیتِ دل میں ہو کیفیتِ کی حاجت کیا
غرضِ محفل سے کیا؟ غلوت ہو جبِ شکِ خباں تیری
مئے انگورِ پی کر کوئی متوالا ہوا تو کیا؟

رہا بے کیف دل، شغلِ مے و میسنا ہوا تو کیا؟

وہ مے اپنی ہے جس سے بن پئے مخمور رہتے ہیں
 خیالِ چشمِ ساقی کے نشے میں چور رہتے ہیں
 وہ میکش ہیں کہ مہر و ماہ اپنے جام و ساغر ہیں
 جو صبا بٹے مرقق سے سدا بھر پور رہتے ہیں
 ہمارا دورِ مے ہر بہر نفس کے ساتھ چلتا ہے
 اسی سے نفسِ ہر لحظہ ہم مسرور رہتے ہیں
 کثافتِ رُوح میں آلائشِ دُنیا سے آتی ہے
 شرابِ ظاہری سے اہلِ باطن دُور رہتے ہیں
 چڑھا دے اُن کو مٹولی پہ بھی تو حق حق سناتے ہیں
 جو عاشق ہیں وہ سرشارِ مے منصور رہتے ہیں

لٹھھائے ہون جنوں نے خم کے خم صبا ئے عرفاں کے
 کہاں وہ طالبِ افشردہ انگور رہتے ہیں
 مناسب ہے یہی، ترکِ مے انگور کہ شاہا !
 ہمارے جام سے ٹھوڑی سی اب منظور کہ شاہا !

جذباتِ فطرت

مبارکبادِ نوروز

عشرت ہے صلائے عامِ نوروز	خودشیدِ سحر ہے جامِ نوروز
ہے بارشِ انبساطِ ہر سو	عالم میں ہے فیضِ عامِ نوروز
اٹھلاتی ہوئی نسیمِ آتی	دہ پیکِ سُبکِ خرامِ نوروز
سُنتے ہی یہ مزدہ کھل گئے پھول	”لایا ہے کوئی پیامِ نوروز“
چھیڑا وہیں نغمہٴ مسرت	مُبَلِّل نے سنا جونا مِ نوروز
لائے نے اٹھالیا پیالہ	بہرے نعلِ نامِ نوروز
خوبانِ چمن ہیں محفلِ آرا	نوروز پہ ہے اہتمامِ نوروز

منزل گہ نو بہار ہے یا ہے صحنِ چمنِ مفتاحِ نوروز
 طائر ہوئے قیدِ غم سے آزاد ہو کر پا بسندِ دامِ نوروز
 لہراتے ہیں بل کے یہ ترانہ
 نوروز! ترا مُبارک آنا!

آنا نوروز کا مُبارک! دنیا کو ہودنِ نیا مُبارک!
 خوش آمدی اے نگارِ نوروز مقدم تیرا مُبارک!
 ہے جلوہ فرورِ نوروز یہ طلعتِ جانِ مُبارک!
 عالم ہے نگارِ خسانہ چیں یہ منظرِ دلِ کشا مُبارک!
 مرغِ سحر ہیں نغمہ پیرا دیتے ہیں جہاں کو یا مُبارک!
 ہو سالِ نیا نشاط کا سال اس سال کی ابتدا مُبارک!
 ہر لحظہ ہو مایہِ سعادت ساعت نہ ہو ایک نا مُبارک!
 ہر روز سنیں نئی بشارت کانوں میں پڑے صدا مُبارک!

گو بے دنیا میں یہ ترانہ !
نورور ! ترا مبارک آنا !

مہامت ابڈھ

ایوانِ شاہی میں آخری رات

اے زمین خاک بر سر ایوں نہ ہو اندوہ گیس

میں شریکِ غم ہوں تیرا ہوں تیری خاطر حزیں

تیری خاطر اور تم نے بچوں کی خاطر اے نہیں !

مضطرب ہوں میں مرے دل کو قرا اصال نہیں

نیم بھل میں بھی ہوں، تُو ہے اگر سنجھیں غم !

لے لیا اپنے جگر پر میں نے تیرا تیر غم !

مائنی صورت ہے تیری اے سیہ پوش آسماں
 تو گھٹا ہے سوزِ غم کی، یا ہے آہوں کا دھواں
 اشکِ خوں و امن پہ ہیں، یا ہیں شفق کی سرخیاں
 داغِ تاباں ہیں مہ و خورشید سینے میں عیاں
 تو ہے محزون اہل عالم کی مصائب دیکھ کر
 شامِ غم، صبحِ قیامت ہیں مرے شام و سحر
 اے ستارو! تم سراپا ہو کے چشمِ انتظار
 دیکھتے ہو میری جانب، صورتِ اُمید واد
 لو اب آیا میں، اب آیا، تم پہ ہونے کو نثار
 کب سے ہوں آوارگی کی آرزو میں ہفتِ آوار
 آہ میں جکڑا ہوا سونے کی پنجبیروں میں ہوں
 ہر گھڑی آزاد ہو جانے کی تدبیروں میں ہوں

عشرتِ ایامِ آغازِ جوانی ! الوداع
 الوداع اے ذوق و شوقِ عیشِ فانی ! الوداع
 الوداع اے تاج و تختِ مرزبانی ! الوداع
 الفراق اے خوہی، اے شادمانی ! الوداع
 الوداع اے حسرتِ لیل و نہارِ آرزو
 اے دلِ غم دیدہ بن جاؤ مزارِ آرزو
 آہ ! پر تیری جدائی آہ ! او آرامِ جاں
 اُف ! تڑپتا ہے، مچلتا ہے دلِ ناشادماں
 تجھ کو سوتا چھوڑ جاؤں سنگِ دل ایسا کہاں
 آئینہ رُو ! تیری فرقت مجھ پہ ہے کوہِ گراں
 عزمِ راسخ ہے مگر منہ تجھ سے موڑوں کس طرح ؟
 رشتہء عہدِ وفا کو آہ ! توڑوں کس طرح ؟

تیری فرقت اور پھر اُس گویہ شہوار کی
 اپنی تاباش سے ہے جو تین تین تاج خسروی
 جس کو نیاں محبت نے عطا کی زندگی
 آبِ قبابِ زیبت بڑھ جائیگی جس سے واقعی
 شمعِ دل افسردہ ہوگا خانہِ مہاں کے لئے
 مایہ نورِ بصارتِ چشمِ حیراں کے لئے
 اے فریبِ الفتِ فانی! نہ تو بھٹکا مجھے
 آہ اے جھوٹی محبت! دے نہ اب دھوکا مجھے
 دیدنی ہے روئے گلِ پراس سے مطلب کیا مجھے
 گھر نظر آ یا ریاضِ دھڑکا نٹوں کا مجھے
 یہ کشاکش ہائے بے جا ہیں سلاسل کی طرح
 توڑ دوں ان کو طلسمِ نقشِ باطل کی طرح!

رخصت اے ماں باپ بیوی رخصت کا اہل دنیا!
 دیکھنا میسر ہی جدائی پر نہ ہونا اشکبار
 کی تمہارے ہی لئے میں نے یہ وقت اختیار
 دیکھتے کیا کیا دکھائے گردش لیل و نہار
 المدد! اے جستجوئے صادق راہِ سخبات
 کونسی خلوت میں ہے اے شمع راز کائنات؟

سُرورِ جہاں آبادی

اے سرورِ نکتہ داں! اے شاعرِ رنگیں بیاں
 اے کہ گلہ پیزی سے تیری ہنسی ہے باغِ جناں
 ہزیم رازِ عالم بالا کا ہے تو رازِ داں
 تیرے نغموں پر لگے رہتے ہیں گوشِ قدیاں

حق نے بخشا ہے تجھے جان بخش اعجازِ سخن
چٹکیاں لیستا ہے دل میں تیرا اندازِ سخن

سحر ہے، افوں ہے، جامد ہے تیری گفتار میں

معنی تاثیر پہناں ہیں ترے اشعار میں

گل کو رنگت تیری رنگینی سے ہے گلزار میں

تیری طبع موج ز اکی موج ہے انہار میں

ہر نفس میں ہے ترے کیا کیا مسیحا پروری

ہند کو حاصل ہے چوتھے آسماں پر برتری

شاہد مضمون میں تیرے شوخی جانانہ ہے

ہر اداستانہ ہے، ہر ناز معشوقانہ ہے

شیع معنی پر تری بزمِ سخن پروانہ ہے

داستان جو ہے، دل پر سوز کا افسانہ ہے

ہوک اٹھتی ہے جگر سے تیری اک اک آہ پر
تیرے آکر برکتے ہیں دل آگاہ پر

شاہدِ نیچر کا حُسنِ جاں فزا دیکھے کوئی

یا تری تخریر میں تیری ادا دیکھے کوئی

سازِ بزمِ راز کی سُن کر صدا دیکھے کوئی

ہے یہ کس کا نغمہ رنگیں ذرا دیکھے کوئی

”نقشِ فریادی ہے کس کی شوخی تخریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا“

ساقیئے بزمِ سخن کے گوہیں متوالے بہت

ہیں عروسِ شاعری کے چاہئے والے بہت

روتے ہیں جھم جھم دلوں میں پھوٹ کر پھالے بہت

اٹھتے ہیں دستِ دعا بن کے گونالے بہت

ہے مگر وہ شاہدِ رعنا ترے آغوش میں
 جوشش گر یہ کا عالم غیر کے سر جوش میں!
 حُسنِ معنی کی جھلک جلوہ ہے برقی طور کا
 طبعِ روشن سے تری روشن ہے مضمونِ دُر کا
 نیتِ نیا پردہ اٹھ کر طلعتِ مستور کا
 اہلِ عالم کو دکھاتا ہے تاشا نور کا
 دل ترا ہے یا کہ ہے گنجینہٴ اسرارِ حق
 یہ زباں ہے یا کہ ہے آئینہٴ اسرارِ حق!
 جو طبیعت میں تری ہے گل میں نگینی کہاں
 شعرِ نازک کو ترے پُہنچے بُتِ چینی کہاں
 نکتہٴ چینوں کے لئے جاتے سخنِ چینی کہاں
 مجمعِ خوبی ہے تو بد بین و بد بینی کہاں

نشر پر تیری کروں عقدِ ثریا کو نثار
نظم پر ترباں تری صد سک و در شاہوار

ہے ترے نعموں سے باقی ہند میں شانِ سخن

ہو قیامت تک نہ بے یوسف یہ کنعانِ سخن

اے سرورِ نغمہ بار! اے ابر نیسانِ سخن

ہے برسنے سے ترے سر سبزِ بستانِ سخن

کلاکِ گل افشاں ترا کر لے اگر عزمِ نشاط

ہند کی اُجڑی ہوئی نگری ہو پھر بزمِ نشاط!

مرگِ آزادی پر اک ماتمِ بیابانِ بھارت میں ہے

رونا دھونا شاعرانِ ہند کی قیمت میں ہے

ماری ماری آہ پھرتی ہے عجب آفت میں ہے

حاجپ باپ اجابت نشہ غفلت میں ہے

کارواں نالوں کا بھیجیں کر کے اک تیرا رہم
تیرے نالوں کو بتا دیں کارواں سالار ہم!

تجھ کو زیبا ناریش بے حد جہاں آباد ہے

تجھ میں ایسا مایہ فخر جہاں آباد ہے

کیا مبارک شہر ہے تو وہ جہاں آباد ہے

دم سے جس کے نظم اُردو کا جہاں آباد ہے

تیری گلیوں میں جو کوئی جلوہ پیرائی کرے

کیوں طواف آکر نہ کوئی تیرا شیدا بن کرے!

دہر میں جب تک بڑے گلہائے فن باقی ہیں

نظم اُردو کا پھلا پھولا چمن باقی رہے

مایہ دار رونق بزم سخن باقی رہے

یاوگار مشربِ دُور کہن باقی رہے

جی میں آتا ہے کہ آکر چوم لوں تیرے قدم
 آہ لیکن جاں گزا ہے دُور سی منزل کا غم

فلکِ اختری ہے جامِ مرا

تھوڑی سی شرابِ خندہ نکل	زنگیں جس سے کہ ہو نیکل
پیماۂ برگِ یاسمن میں	یا ساغرِ لالہ چمن میں
جس سے کہ خبر نہ ہو دہاں کو	کہ لیجئے تازہ کامِ جاں کو
صہبائے شفق کے جامِ دو جام	پانی جس سے شرابِ گلِ جام
وہ باوٹہ خوشگوارِ عسلیں	عالمِ نظر آئے جس سے نگیں
یا صبح کی وہ مئےِ نظارہ	ہو جس سے چمک میں ماند تارا
چُپ چاپ غمِ خوشیِ سحر میں	پنی جائیے بس نظرِ نظیر میں

خُتمِ خانہِ انحصارِ کمن کی جس میں ہو چمک دمک کرن کی
 جامِ مہتاب سے چھلک کر پچھنٹے پچھنٹے گرے زمیں پر
 ہر مست بہ قدرِ ظرفِ پی لے اور لطفِ سرورِ بخود ہی لے
 محروم بھی بہرہ یاب ہو جائے مستِ غے فکرِ تاب ہو جائے

اوساتی بزمِ میگزاری !

کافی ہے مجھے یہ بادِ خوارِی !

بزمِ سُہا

سکوتِ شام میں جب دل رہیں یاس ہوتا ہے
 نظر آتی ہے دُنیا مائلِ خواب فنا مجھ کو
 درو دیوار پر ہوں دیکھتا وحشتِ برستی سی
 دکھاتا ہے یہ عالمِ عالمِ دشتِ بلا مجھ کو

سیہِ بختی میں ظلمت سے اضافہ آؤ رہوتا ہے
 سوا و شام کا ہر سین ہے حسرتِ فزا مجھ کو

بہت جب تنگنائے دہریں گھٹتا ہے دم میرا
 تصور لے کے اڑتا ہے سوئے بزمِ سُہا مجھ کو
 زمیں سے اُنکے ہیں مُرغِ نظر کے ساتھ جاتا ہوں
 طفیلِ واقفیت کچھ نہیں یہ فاصلہ مجھ کو
 نکل کر خاکِ داغِ تیرہ سے دلشاد ہوتا ہوں
 کیا ہے صانعِ مطلق نے طلعتِ آشنا مجھ کو

نظر آتا ہے کیا کیا ہر طرف اک نور کا عالم
 زمیں سے وُورِ تاروں میں سُرِ اُرج سما مجھ کو

وہاں ہوتا قیامِ دائمی میرا، تو پھر ہوتا
 نہ کچھ ہم اہلِ مجھ کو، نہ کچھ وہ ہم فناءِ مجھ کو
 درخشاں اے ستارو! تا ابد تم کو خدا رکھے
 نظر آتا ہے تم میں جلوۂ نور بقاِ مجھ کو!



ایک آرزو

آہ! یہ دنیا کے جھگڑے اور یہ فکرِ بیش و کم
 بیقرار یہاں اُمیدِ مسرتِ خوفِ غم
 خارِ پہلو حسرتِ آرام و راحتِ رات و دن
 آرزوئے عیش و عشرتِ پنجِ عشرتِ رات و دن

ہر قدم پر آہ! نیزنگ جہاں کا سامنا
 شہدہ آرائیہائے آسماں کا سامنا
 ہے کہیں جو رجفہا مرودفا کے رُوپ میں
 اور کہیں مکر و غا صدق و صفا کے رُوپ میں
 شعلہ ہائے آتشیں کین و حسد کے ہیں کہیں
 طعنہ ہائے زہر آگین نیک و بد کے ہیں کہیں
 زالِ مَونیا کی محبت و دشمنِ صبر و سکون
 ناشکیبائی جگر میں دل میں اندازِ جنوں
 یعنی مثلِ گیسوئے برہم پریشانی کبھی
 صورتِ آئینہ زُخسارِ حیرانی کبھی
 ہرزہ کاری میں کٹے افسوس! ساری زندگی
 آہ! یوں برباد ہو جائے یہ پیاری زندگی

رُوح مضطر کو کسی ایسی جگہ لے جاؤں میں
 کشمکش سے چھوٹ جاؤں اور تسکین پاؤں میں
 جو یہاں درپردہ ہے وہ آشکارا ہو جہاں
 حُسنِ مطلق بے تکلف جلوہ آرا ہو جہاں
 آسماں سے روز و شب رُوحانیت برسا کرے
 اور دلِ محبوس اپنی کھڑکیوں کو وا کرے
 پاک ہو جائے جہاں آلائش و نیا سے دل
 جوڑ دے اپنا تعلق عالمِ بالا سے دل
 صبح دمِ جنت کے پھولوں سے جہاں آئے شمیم
 اور جہانِ قدس کا پیغام دے بادِ نسیم
 حمد کے اشعار گاتے ہوں طیورِ خوشنوا
 نغمہ ہائے سرمدی کا اک طلاطم ہو بیبا!

موت

اے موت! جو سب سے ترے نالان زمانہ ہے
 عالم یہ تیرے، تیرے ستم کا نشانہ ہے
 روزِ ازل سے طورِ تیرا تِلّانہ ہے
 نوحوں سے لکھا ہوا ہے، جو تیرا فسانہ ہے
 جو قافلہ ہے، یاں سے عدم کو روانہ ہے
 ہر اک کا تیری راہ میں لُٹنا خزانہ ہے
 برباد سازِ رونقِ بزمِ جہاں ہے تو
 اے موت! غایتِ ستم آسماں ہے تو
 اے موت! بحرو پر پہ ہے سکتہ رواں ترا
 ظالم! مطیعِ حکم ہے سارا جہاں ترا

راہِ جفا پہ کوئی نہیں ہم عناں ترا
 تو سن رواں ہے صورتِ برقِ تپاں ترا
 کچھ کچھ شریکِ جو رہے گو آسماں ترا
 لیکن وہ دُوں خصال بھی ثانی کہاں ترا
 تُو پھول توڑ لیتی ہے اُس کے چمن سے بھی
 ہر صبح ہے رُخِ مہ و انجم پہ مُردنی!
 تیغِ ستم سے تیری کسی کو اماں نہیں
 تجھ کو تمیزِ طفلِک و پیر و جواں نہیں
 تجھ کو ذرا غمِ غمِ اہل جہاں نہیں
 کچھ دل میں تیرے رحم و کرم کا نشان نہیں
 تجھ سے سچا کوئی چمن و گلستاں نہیں
 تُو برقِ بیخِ سوز ہے، بادِ خزاں نہیں

اک بار تُو گرے جو کسی نونہال پر
آئے نہ تنو ہزار میں وہ اپنے حال پر

ماقم کدہ یہ دہر جو ہے 'تیرے دم سے ہے

ویراں ہر ایک شہر جو ہے 'تیرے دم سے ہے

دریا تے غم میں لہر جو ہے 'تیرے دم سے ہے

نالوں میں لہر بہر جو ہے 'تیرے دم سے ہے

امرت جہاں میں زہر جو ہے 'تیرے دم سے ہے

جینا خدا کا قہر جو ہے 'تیرے دم سے ہے

جو دل ہے تیرے داغ سے یاں لالہ زار ہے

ماہی سے ماہ تک جو ہے 'سودا غدار ہے

دنیا سے یکسے یکسے اٹھے گلزار حیف !

تقی جن کے دم سے رونقِ فصل بہا حیف !

کیا کیا سمنہ ناز کے تھے شہسوار حیف!

اے موت! تو نے رب کا اڑایا غبار حیف!

اب ہے دُمن نہ لیلیٰ اُلفت شعار۔ حیف!

ڈھونڈے سے بھی ملے گا نہ اُن کا مزار حیف!

سنتے ہیں آج جن کے فسانوں کو، ہم غریب

نالاں ترے ستم سے گئے وہ ستم نصیب

کیا کیا نہ دل میں حسرت و ارامان لے گئے

پہلو میں آرزوؤں کے پیکان لے گئے

عقدے تمام مشکل و آسان لے گئے

شغلِ عدم کے سینکڑوں سامان لے گئے

جب لوگ اُن کو پھونکنے شمشان لے گئے

یا گاڑنے کو سوئے ہیا بان لے گئے

ماتم تھا آرزو کا جنازے کے ساتھ ساتھ
تھا شور ہا و ہو کا جنازے کے ساتھ ساتھ

مارا کسی غریب کو تو نے وطن سے دور

ماں باپ سے بہت پرے، بھائی بہن سے دُور

لاشہ کوئی پڑا ہے مزار و کفن سے دور

دستِ صداٹے شیون و شورِ محن سے دور

پھولوں کی آہ ناز بھری انجمن سے دور

گھونٹنا گلا ہزار کا صحنِ چمن سے دور

گھیرا کسی کو ورطہ دریا کے درمیاں

پھاٹا کسی کو دامنِ صحرَا کے درمیاں

اے موت! جن کا قطب سے تا قطب راج تھا

خورشیدِ طشتِ زرِ جنہیں دیتا خراج تھا

ہم رفتِ کلاہِ فلک جن کا تاج تھا
 با صد شکوہ زیرِ تدم تختِ عاج تھا
 قانون جن کا لفظ، اشارہ رواج تھا
 والا حشم کوئی، کوئی عالی مزاج تھا
 اُن کو بھی تُو نے تخت سے پھینکا اُتار کے
 آئی دباؤ میں نہ کسی شہر یار کے

رستم کا اب نشان ہے، نہ اسفندیار کا
 ملتا نہیں پتا کہیں اُن کے مزار کا
 سُنتے ہیں ذکرِ ارجنِ گردوں و فتار کا
 تھا نام ایک منتخبِ روزگار کا
 ہنگامہ جس سے گرم رہا کارزار کا
 اک تیر چیرتا تھا کلیجہ ہزار کا

آخر نشانہ ہو کے رہا تیرے بان کا
تُو نے ہی خاتمہ کیا تیرا دکان کا

ہے غم سے جاں بلب کوئی حماں نصیب آہ!

تو لے گئی ہے پہلو سے جس کا جیب آہ!

رفوتا تڑپ تڑپ کے ہے بے کس غریب آہ!

آزارِ حُب سر کا نہیں کوئی طبیب آہ!

اے موت! تیرے کام ہیں کتنے مصیب آہ!

مارا ہے اُس غریب کو بن کر رقیب آہ!

جس دن سے تُو نے اُس سے کیا ہم نشین جدا

ہوتی ہی چشمِ تر سے نہیں آستیں جدا

تُو جس کا بچہ لے گئی، اُس ماں کا حال دیکھ

جاری ہیں اشک، اگرچہ ہوئے ماہ و سال دیکھ

اے موت! دیکھ طویل زمان ملال دیکھ
 اب تاکٹے ہیں راکھ سے سب سر کے بال دیکھ
 ایسی بھی غمزدوں کی کہیں ہے مثال دیکھ
 ہر وقت رونے دھونے سے آنکھیں ہیں لال دیکھ
 نورِ نظر کے غم میں یہ اتنا جو روئے گی
 آنکھیں تو خیر جان کو اک روز کھوئے گی

اے موت! آہ تیرے ستائے ہوئے یتیم
 نقشِ غلط کی طرح مٹائے ہوئے یتیم
 وہیل اشکِ نخل میں نہائے ہوئے یتیم
 سوزِ غمِ نہاں کے جلائے ہوئے یتیم
 دوشِ پدر سے خاک پہ آئے ہوئے یتیم
 گودی سے ماں کی آہ! چھڑائے ہوئے یتیم

روتے ہیں اور دیتے ہیں رور و دُعا تجھے
اُن کو رُلا کے موت! بھلا کیا ملا تجھے

عاشق کو آ کے حُسن کا جلوہ دکھا گئی

دل آگیا کسی پہ تو بس موت آ گئی

پروانے کے شکار کو شمعیں جلا گئی

گل ہر عنذیب چمن میں کھلا گئی

جھونکوں میں جب نسیم سحر کے سما گئی

دم میں چہرِ راغ ہستی گل کو بھجا گئی

صیّاد بن کے مُرغِ چمن زادِ پرگری

اور برق ہو کے خانہٴ صیّادِ پرگری

اے موت! مت ڈرا مجھے، مجھ کو فنا نہیں!

چلنے کا مجھ پہ نام کو حبا دُو ترا نہیں

کچھ ایترا نہیں ہے، مری انتہا نہیں
 میں وہ ہوں مجھ سے چھٹیڑکی لینا بجا نہیں
 تیری رسائی جسم سے آگے ذرا نہیں
 ہاں جسم تیرا مال ہے، بیشک مرا نہیں
 شمشان! تیری آگ مجھے کب جلا سکے!
 آغوش قبر! تُو مجھے کیوں کر دبا سکے!

موت کا موسم

(ترجمہ از انگریزی)

موسم خاص میں ہوتے ہیں شجر برگ فشاں
 پھول مرجھاتے ہیں، جب باغ میں آتی ہوں خزاں

صبح کے ہونے پہ ہوتے ہیں سناے پنہاں
لیکن اے موت! مقرر ہے ترا وقت کہاں

(۲)

دن کو ہوتا ہے ہر اک کو غم دنیا سے کام
دوست مل جائیں ہم سہتی ہے اس واسطے شام
رات ہوتی ہے کہ ہو سب کو میسر آرام
لیکن اے موت! ترے آنے کے میں وقت تمام

(۳)

ہم کو معلوم ہے کب بڈر کو ہونا ہے ہلال
اڑ کے کب جانا پرندوں کو ہے پھر سوائے شمال
ہونا گلشن کو ہے کب بادِ خزاں سے پا مال
کون بتلائے کہ کب کیجئے ترا استقبال!

(۴)

کیا وہ موسم ہے ترا جبکہ بہار آتی ہے
 اور صبا حُسنِ گلِ تر کو نکھار آتی ہے
 یا کہ جب باؤ خزاں لے کے غبار آتی ہے
 نہیں، ہر فصل میں تُو بہتر نکھار آتی ہے

(۵)

بحر و برد و نو کو منظور اطاعت تیری
 کہہ رہی کام ہوا میں بھی ہے طاقت تیری
 دل سے راحت میں بھی جاتی نہیں ہیبت تیری
 ہم جہاں جائیں نظرِ سدا آتی ہے صورت تیری

(۶)

تُو وہاں بھی ہے جہاں ملتے ہیں دو سینہ نگار
 دُکھڑے رونے کے لئے بیٹھ کے زیرِ اشجار
 تُو وہاں بھی ہے جہاں ملتی ہیں فوجیں خوشخوار
 اور چوہر ہے جہاں اپنے دکھاتی تلوار

بُوئے گل

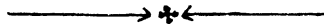
فضائے دامنِ گل میں ملامتِ ام تجھے
 ہوا نصیب نہ لیکن وہاں قیام تجھے
 بہ اس لطافت و جاں پروری و زیبائی
 کیا بوقتِ سحرِ عزمِ دشتِ پیائی

وطن سے دوشِ صبا پر سوار ہو کے چلی
چمن سے مُشکِ فشاں، عطر بار ہو کے چلی

ترے نفس سے ہوا مایہ دارِستی ہے
یہ فصلِ گل ہے کہ دورانِ تے پرستی ہے
تے سرورِ ٹپکتی ہے جام سے تیرے
ہے سب کو بہرہ وری فیضِ عام سے تیرے
غضب کی اُفت! تری لپٹوں میں ہے فتنہ نگاری
دل و دماغ پہ اک بے خودی سی ہے طاری

ہے مجھ کو تیرے مقتدر پہ سخت حیرانی
جہاں کو مایہ فرحت تری پریشانی

ریاضِ دہر میں خود ہو کے انتشار نصیب
 مُشامِ خلق کو تُو نے کیا بہار نصیب
 اُجڑ کے خود جو ہوا کو بسا دیا تُو نے
 سبقِ زمانے کو ایشار کا دیا تُو نے!



انجامِ گل

وہ خندہ عجیب جا نغز اٹھا	کل تک تُو چمن میں مہنس رہا تھا
بہرِ نغمہ خوش تری ثنا تھا	شیدائی تھے سب طیوِ گلشن
ہستی سے تری بندھا ہوا تھا	بلبل کا تو خاص رشتہ تھا
شیدوہ ترا نطفِ یا جفا تھا	مطلبِ نہیں اس سے ہم کو اے گل!

معشوق تھا بے نظیر و رعنا
 غارت گر ہوش و صبر و تمکیں
 خوبانِ جہاں کا ہے یہ آئین
 ظالم کے نہ دل میں رحم آیا
 کتنا اے شاہِ دل آرام
 کس حال میں آہ! آج تو ہے
 بکھری ہوئی چنڈ پٹیاں ہیں
 اے گل! وہ ادا تیں کہاں ہیں
 مٹتے بولتے اُف! وہ ناز تیرے
 کیوں خاک برُو ہے روئے برخاک
 کل تک شیدا تھا اک زمانہ
 سب آبرو آب تاب تک ہے
 تو شاہدِ شکریں ادا تھا
 عالم تیرے شباب کا تھا
 یہ عیب نہیں کہ خود نما تھا
 گلچیں ترے واسطے قضا تھا
 آغاز سے مختلف ہے انجام
 وہ خوبئے رنگ ہے نہ بو ہے
 نگہت آوارہ سُو بُو ہے
 بلبل اب بھی تو رُو برُو ہے
 اب بزم تری مقام ہو ہے
 حُسنِ رفتہ کی جستجو ہے؟
 بیگانگی آج سب کی خو ہے
 یہ دہرِ طلسمِ رنگ و بو ہے

آغازِ گل اور اس کا انجام	حالت یہی سب کی ہو ہو ہے
آغاز ہے و لٹو از سب کا	انجام ہے جائگہ از سب کا!
آغازِ مہِ سرتِ تام	انجامِ شبِ سیاہِ آلام
آغازِ شگفتنِ گل تر	انجامِ فشارِ حُسنِ گلِ نام
آغازِ طلوعِ صبحِ انور	انجامِ سوادِ آمدِ شام
آغازِ نگاہِ نطفِ ساقی	انجامِ شکستِ شیشہ و جام
آغاز وہ عہد ہے کہ جس کا	سب جانتے ہیں طفولیتِ نام
انجام وہ دور ہے جس کو	کہتے ہیں بدترینِ ایام
آغاز ہوا تھے شوقِ پرواز	انجامِ فریبِ دانہ و دام
آغاز وہ ہے کہ ہائے آغاز!	انجام وہ ہے کہ وائے انجام!
آغازِ انجام دیکھ گل کا	نقشہ یہی جانِ جزوِ گل کا!

ایک خاندان کی قبریں

(ترجمہ از انگریزی)

(۱)

پردان ایک گھر میں چڑھے ایک ساتھ وہ
معموران کے دم سے تھا کاشا ایک ہی
حائل ہیں درمیان میں ابشت و بحر کوہ
اک دوسرے سے دور ہیں قبریں جدی جدی

(۲)

اک مادِ شفیق اکہ اٹھ اٹھ کے رات کو
تھی ماستا سے ہر رخ زیب پہ جھانکتی

مُنہ بند غنچے آہ! جو تھے اُس کے روبرو
وہ خُفتگانِ ناز ہوئے محوِ نیستی

(۳)

جنگل میں ایک ہے نئی دنیا کے سورہا
دریا کنار، سبزۂ اخضر کے ساتھ میں
دیتے پتا ہیں انڈین اُس کے مزار کا
آبادیوں سے دُور، صنوبر کے ساتھ میں

(۴)

ہے دوسرا پڑا ہوا آغوشِ بحر میں
نیچے، جہاں پڑے ہیں گرجمگاہِ رہے
وہ ایک سامری تھا محبت کے سحر میں
جو یاٹے قبر اُس کے ہیں آشوبہا رہے

(۵)

ہے تیسرا جنوب میں مست مئے فنا
 بلیں پڑھی ہیں تاک کی خاکِ شہید پر
 ہسپانیہ کے معرکہ جنگ میں گرا
 پرچم کو اپنے سینے پہ تھامے رہا مگر

(۶)

چو تھی وہ رشکِ گل کہ نسیم بہار سے
 ہندی کے برگ جھڑتے ہیں جس کے مزار پر
 ملکِ اطالیہ میں پڑی زیرِ خاک ہے
 تھی جس سے یادِ صحبتِ دیرینہ تازہ تر

(۷)

اک دوسرے سے دُوبیں خوابیدہ زیرِ خاک
 جو اک شجر کے سائے میں کھیلا کٹے کبھی
 کیتے تھے مل کے وقتِ دُعا حمدِ ذاتِ پاک
 وابستہ ایک دامنِ مادر سے تھے سبھی

(۸)

تھا گھر میں اُن کے نورِ تبسم سے چاندنا
 نعموں میں وہ خوشی تھی کہ دیکھی سنی نہ ہو
 کس درجہ یا اس خیر ہے اُلفت کی انتہا
 اِس زندگی کے بعد اگر زندگی نہ ہو

سبزہٴ نو

ناداں! پئے متاں سر تو نکال بیٹھا
 لیکن تُو بارہستی گردن پہ ڈال بیٹھا
 یہ باروہ ہے جس کو رو رو اٹھائے گا تُو
 یہ خاروہ ہے جس سے دامن چھڑائے گا تُو
 صد کوہِ درد ہوگی اس بوجھ کی گرانی
 بارِ گراں ترین ہے دنیا میں زندگانی
 اس بوجھ کو اٹھا کر کتنے ہی دکھ بھرے گا
 یہ بوجھ وہ ہے جس کے نیچے تو دب مرے گا
 آخر عذابِ ہستی سر سے ترے ٹلے گا
 جس وقت کوئی تجھ کو پا مال کر چلے گا

ارمان دیدگل ہے ؟ دھوکا ہوا ہے تجھ کو
 لے کر عدم سے آئی تیری قضا ہے تجھ کو
 سُرخ پر تیرے پسینہ گرمی شوق کا ہے
 اسے سبزہ ! جس کو شبنم لوگوں نے کہہ دیا ہے
 محروم زار تجھ سے رہ رہ کے کہہ رہا ہے
 نو وار و گلستاں ! دھوکا تجھے ہوا ہے
 ہے خندہ گل تر برق فنا کا جلوہ
 آیا نظر جو تجھ کو غافل ! بقتا کا جلوہ
 حیرت کو تیری ہوئی گئی یاں انقلاب لاکھوں
 ہستی کی رات میں تو دیکھے گا خواب لاکھوں
 نازک ادائیہوں سے تیرا یہ اسلہانا
 مستانہ لغزشوں سے یہ لوٹ لوٹ جانا

نوٹے ہے تو زمیں پر پنی کر شراب اُلفت
 مستی شکن ملے گا لیکن جواب اُلفت
 پڑ جائے گا چمن کا جس وقت رنگ پھیکا
 مجھ کو تو فک رہے یہ کیا حال ہو کسی کا
 نروں سے جب روانی کر جائے گی کنارا
 ڈوبیں گے بحرِ غم میں صدمہ برگ اور ہزارا
 ہو جائے گا فضا سے اب رہا رخصت
 با و خزاں چلے گی، برسا کرے گی حسرت
 آ کر فضا ہنسے گی جب گل کی جا چمن میں
 اے سبزہ! خاک اڑے گی بلبل کی جا چمن میں
 ہر اک کا مدعا ہے دنیا میں شادمانی ✓
 تیری طرح ہے عالم جو یائے کامرانی

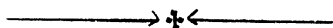
گلہائے لطفِ دُنیا ہر خندِ چیدنی ہیں
 نظارہ ہائے عالمِ دل کش ہیں، دیدنی ہیں
 لیکن غضب تو یہ ہے ان میں بقا نہیں ہے
 افسوس! دل لگی کا کچھ بھی مزا نہیں ہے
 ننھا سا تو کسی کا اک شعلِ آرزو ہے
 پھلنے کی آرزو پر آیا کُنارِ جو ہے
 لیکن ترا بہ سودا سودائے خام ہوگا
 پھلنے سے پہلے تیرا قصہ تمام ہوگا
 جس خاک سے اُگا ہے اُس خاک میں ملے گا!
 گل تیری آرزو کا اگلے برس کھلے گا!

ایامِ غم

(ترجمہ از انگریزی)

سرو ہے دن، تیرہ و تاریک ہے اور خوفناک
 مینہ برستا ہے، ہوائے تیز ہے گہم سفر
 اب تک رگتی ہوئی دیوار سے پلٹا ہے تاک
 جھونکے جھونکے سے ہیں گرتے خشاپے خاک پر
 اور دن ہے تیرہ و تاریک و سرو و خوفناک !
 زندگی میری بھی ہے تاریک و سرو و خوفناک
 بارشِ اشکِ رواں ہے، صرصر آہِ سحر
 عہدِ ماضی سے مرے جذبات ہیں پلٹے ہوئے
 اور جوانی کی ہسنگیں گہ رہی ہیں خاک پر

آہ! یہ ایام ہیں تاریک و سرود و خوفناک!
 صبراں صبرِ دل منوم، بے جاشکوہ ہے
 ابر کے پیچھے ابھی تاباں ہے ہر تابناک
 ساری دنیا کی یہی قسمت ہے، کیسا شکوہ ہے
 زندگی ہر شخص کی رکھتی ہے یاں بسمِ ہلاک
 سب کے کچھ ایام ہیں تاریک و سرود و خوفناک



شمعِ سحر

محفل کا رنگ اُڑنے لگا، شب بسر ہوئی
 بنمِ نجومِ پسرخ پہ زبر و زبر ہوئی

آخر حیاتِ شمع چراغِ سحر ہوئی
 مُنہ نق ہے، رنگِ زرد ہے، حالتِ بتر ہوئی
 کتنا جہاں سے کوچ ہے گویا حسین کوئی
 بیمار لے رہا ہے دمِ واپسین کوئی
 چہرے پہ مُردنی ہے کہاں ہے بہارِ حُسن
 مثلِ بقائے گل نہیں کچھ اعتبارِ حُسن
 چمکا بھی جہاں میں نہ بچھ کر شرارِ حُسن
 افسردگیئے شمع ہے انجمِ کارِ حُسن
 مانندِ عشقِ حُسن بھی حسرتِ مال ہے
 شمعِ سحر کو دیکھ لو، روشن مثال ہے
 گزری شبِ عروج، یہ صبحِ زوال ہے
 تنہا رات کو جو بدر، وہی اب ہلال ہے

سیلاب تاکر ہے، یہ اشکوں کا حال ہے
 دھونا مگر نوشتِ جبین کا محال ہے
 بیتاب ہو رہی ہے اکیلی کھڑی ہوئی
 قیمت کو رو رہی ہے اکیلی کھڑی ہوئی
 آنکھوں میں رنگِ محفل سوز و گداز ہے
 دل کو جلاتی یادِ شب سوز و ساز ہے
 کہتی ہے دل میں رہنے دو جو دل کا راز ہے
 یعنی فسانہٴ غمِ ہستی و راز ہے
 سر پر اجل ہے، فرصتِ گفتار کس کو ہے
 جاں پر بنی ہے طاقتِ گفتار کس کو ہے
 حسرت برس رہی ہے بُرخِ رشکِ ماہِ پر
 حیرت نثار ہوتی ہے اک اک نگاہِ پر

بجلی گرائی صبح کی اک بے گناہ پر
 ہے داغ تازہ دامن چرخ سیاہ پر
 تاج ہو گیا چمن حسن و عشق حیف !
 برہم ہوئی وہ آنجناب حسن و عشق حیف !
 نخل مراد شمع جوشب گل فشاں رہا
 محفل میں جوش خمندہ گل کا سماں رہا
 جب تک زبان شمع میں لطفِ بیاں رہا
 باغ و چمن میں خشک دیم طائراں رہا
 اب ہے وفورِ نور، نہ جلوہ نمائیاں
 بے طرح مُنہ پہ چھٹنے لگی ہیں ہوائیاں
 پروانے جن کی خاک سے ظاہر ہے شانِ عشق
 مضطر تھے آہ اکب سے پئے امتحانِ عشق

گر شوق ہو تو کیجئے سیرِ حسانِ عشق
 کیا کیا ہیں بے مزار و کفن کشتگانِ عشق !
 بڑھ کر ہے اگنی بان سے بھی عشق کا خدنگ
 کشتوں کے پُشتے لگ گئے بے تیر و بے تفنگ
 اے شمعِ تیسری رونقِ بازار کیا ہوئی
 گرمیِ فوق و شوقِ خسریدار کیا ہوئی
 وہ آب و تابِ جلوہٴ رخسار کیا ہوئی
 وہ شبِ کدھر؟ وہ بزمِ پیرانوار کیا ہوئی؟
 کیا ہو گئے وہ ناز، وہ انداز کیا ہوئے؟
 وہ ننھے ننھے عاشقِ جاں باز کیا ہوئے؟
 شبِ بھرِ غریبِ تختہٴ مشقِ ستم رہے
 لیکن امیدِ دارِ نگاہِ کرم رہے

مگر کبھی راہِ عشق میں ثابت قدم رہے
 جل کر گرے تو یار کے پاؤں پہ تھم رہے
 ہیں مہربانیاں فلکِ دلوں نواز کی!
 یوں منتشر ہو خاکِ شہیدانِ ناز کی!
 یکسر غماں طیورِ سحر کی نوا زنی
 نغمے تمام نالے ہیں ہنگامِ جاں کنی
 بگڑا تمام کھیل، نہایت بُری بنی
 دل میں ہجومِ یاس ہے صورتِ پھرنی
 داناں شوق کھول کے گلگیں رہ گیا
 صورتِ یہ دیکھ صورتِ تصویر رہ گیا
 کشتیِ عمرِ شمع پہ آفتِ بیاہوئی
 بادِ نسیم صبحِ مخالف ہواہوئی

بے چاری جلد نذر محیط فنا ہوئی
 اک شب کی زندگی جو ہوئی بھی تو کیا ہوئی
 محسوس حال شمع سحرِ غیر ہو گیا
 ہوتے ہی صبحِ خاتمہ بالخیر ہو گیا!



فیروزِ تہم

زباں پر ماجراٹے در و دل لائیں تو کیا لائیں
 ہم اپنے سوزِ غم سے کس لئے آوروں کو تڑپائیں
 جو دنیا ثوابِ ستی ہے، بے روزِ قیامت تک
 ہم اپنے شور و شیون سے قیامت کس لئے ڈھائیں

دکھائیں کیوں امیروں کو ہم اپنے فاقہ کش چہرے
 کسی کی عیش و عشرت میں بھلا ہم کیوں خلل لائیں
 کسی کے رنگ میں کیوں بھنگ ڈالیں اپنے نالوں سے
 بلا سے زیست کے دن فاقہ مستی میں گزر جائیں
 جگہ تھوڑی سی دیدے اے زمیں! تو اپنے دامن میں
 کسی کو تاکہ ہم داغ بن عُمریاں نہ دکھلائیں
 بیکل دل سے نہ یوں اے آہ سوزاں بے ستا شاہس
 کسی کے باغ میں کلیں مسترت کی نہ کُلائیں
 یہ سب کچھ ہے سجا، لیکن بسر ہو زندگی کیوں کر؟
 اگر پہنیں تو کیا پہنیں، اگر کھائیں تو کیا کھائیں؟
 کرم اے کاش! ہم پر بے طلب اہل کرم کرتے
 جیا آتی ہے ہم کو اس طرح اظہارِ غم کرتے

کسی کی چشم چیراں کے رہے تو نظر ہم بھی
 کسی خستہ جگہ کے آہ! تھے تختِ جگہ ہم بھی
 ریاضِ دہر میں حاصل ہوئے ہم بھی ریاضت سے
 ہوئے آخر کسی کی شاخِ ارماں کے ثمر ہم بھی
 گنِ قسمت میں بھٹا اپنی، مگر نہ نورِ برساتے
 کسی کے مطیع امیہ پر مشلِ قمر، ہم بھی
 بھٹکتے پھرتے ہیں بے خانہ اب وشتِ دنیا میں
 کسی کے گھر میں تھے رونقِ فزائے بام و در ہم بھی
 مقدر میں بھٹاتا راجِ خزاں ہونا یونہی، ورنہ
 شگفتہ آج ہوتے صورتِ گلِ ہائے تر ہم بھی
 بناوی آج گہرِ بے کسی نے اور ہی صورت
 کبھی تھے آہ! آب و تاب میں مثلِ گہر ہم بھی

جو ناز اپنے اٹھاتے تھے، اٹھے ناکام دُنیا سے
 انہیں کے ساتھ کرتے کاشس! سامانِ سفر ہم بھی
 نظر آنا نہیں دُنیا میں جُز ذاتِ خدا کوئی
 سُننے کیا اپنے دروہیکی کا ماجر کوئی!
 رکھے گی آہ! قسمت کب تک بے آبِ دناں ہم کو
 گزارہ کرنا ہوگا کھا کے کب تک جھڑکیاں ہم کو
 جگہ دیتا ہے باغِ دھڑ پھولوں میں نہ کانٹوں میں
 اُڑا لے چل تو اپنے ساتھ اے برگِ خنراں ہم کو
 کیا دے دے کے فالتے نیم جاں ہم کو مقدّر نے
 نہ تابِ لب کشائی ہے نہ یارائے فغاں ہم کو
 خدا وہ دن دکھائے جب نظر ہم اُس کو آجائیں
 سنا ہے، ڈھونڈتی پھرتی ہے مرگِ ناگساں ہم کو

مجسم نامراد ہی ہیں دکھائیں کس کو صورت ہم
 چھپالے اے زمیں ہم کو، مٹا دے آسمان ہم کو
 ہمارے واسطے باقی نہیں کُنچِ قفس بھی کیا ؟
 نہیں صحنِ گلستاں کی ہو س اے باغباں ہم کو
 وہ لاغر ہیں کہ احساں موت کا بھی اُٹھ نہیں سکتا
 عدم کی سمت کوئی بے اجل کر دے رواں ہم کو
 رہیں تجھ میں جنہیں دیتی ہے تو آرام اے دُنیا !
 یتیموں بے نواؤں کا یہاں کیا کام اے دُنیا !
 لکھی تھی خانہ ویرانی، پریشانی مقدر میں
 گھر و ندے جو بناتے تھے بگڑ جاتے تھے خود گھر میں
 ابھی سے خانہاں برباد طغیانی کا رونا ہے
 پڑی ہے عسراؤں باقی نہیں کچھ دیدہ تر میں

مادرِ زندگی اللہ والوں کے کرم پر ہے
 الٰہی اور بھروسے مہرِ قلبِ مہر پرور میں
 ہماری یاد بھی دل میں رہے اونیکِ دلِ منعم !
 تو اپنے بال بچوں میں ہو شاداں جس گھڑی گھر میں
 ہماری بے کسانہ سردیوں کا بھی خیال آئے
 تو محوِ استراحت جب ہو نرم و گرم بستر میں
 ہماری شامِ تنہائی کا منظر بھی نظر میں ہو
 ترا بچہ ہو محوِ خواب جب آغوشِ مادر میں
 تری چشمِ تصویر میں تین عریاں ہمارا ہو
 کرے تو جب کبھی پوشاکِ نو آراستہ بر میں
 یہ پیشِ پس ہے کیا داتا! دُعائیں لے انا تھوں کی
 روپے پیسے کو دانا جانتے ہیں میل ہاتھوں کی !

شکوہ صیاد

موسمِ گل میں جو رہ رہ کے چمن یاد آئے
 ہمنا! لب پہ نہ کیوں شکوہ صیاد آئے
 پھر سوئے کجِ نفسِ نگہتِ برباد آئے
 آئے پھر بُوئے غبارِ دلِ ناشاد آئے
 آتشِ حسرتِ گلگشتِ سوا ہوتی ہے
 اُجڑے گلشن کی بھی کیا خوب ہوا ہوتی ہے!
 یادِ ایامِ بہاراں کہ چمن تھا، ہم تھے
 باغباں بر سرِ کیں ہم سے نہ تھا، بے غم تھے
 رونا شامِ دُسرِ عیش و طرب پیہم تھے
 اپنے جلسے بھی کبھی غیرتِ جشنِ جسم تھے

مست صہبائے مسرت تھے کہ آزاد و تھے ہم
اُڑتے پھرتے تھے ہر اک سمت کہ دلشاد تھے ہم !

تھا کیس میں مگر اے وائے مقدر ! صیاد

و دشمن ہر جفا پیشہ - ستمگر صیاد

آگیا دامِ بلا و دوش پہ لے کر صیاد

ہو گیا ہر چمنِ فتنہ معشر صیاد

نغمہ بلبیل شیدا سے فقط لاگ نہ تھی

کون سا برگ وہ تھا جس کے لئے آگ نہ تھی

خلشِ خارجہیں زیت سے کر دیتی تنگ

اُن پہ خالی کئے سفاک نے بھر بھر کے تنگ

آزما ڈالے ہزاروں ستم و جور کے ڈھنگ

جاں ستانی میں تا تل، نہ توقف، نہ درنگ

موت سے بچ کے جو اندوہ نفس سہتے ہیں
 اب وہ یوں نالہ کش جو رجفہا رہتے ہیں
 ”بدلے تو نے یہ لئے ہم سے بھلا کس دن کے
 ذبح کر ڈالے ہیں مرغِ انجمنِ گن گن کے
 آشیانوں کے اُڑائے ہیں سنگِ استغناء کے
 اب تری قیدِ مصیبت میں مکیں ہیں جن کے
 بے خطاؤں پہ یہ غصہ، یہ عتاب اے ظالم!
 کبھی دینا ہے خدا کو بھی جواب اے ظالم!
 سرو و شمشاد کو بے سرو! اکھاڑا تو نے
 زرِ گل و دامنِ گلزار سے جھاڑا تو نے
 سبزہ بیگانہ تھا، اُس کو بھی لتاڑا تو نے
 نقشہٴ حسنِ چمن آہ! بگاڑا تو نے

دل ترے سینے میں تھا پاس وفا سے خالی!

ترے جذبات تھے احساس وفا سے خالی!

جل اٹھا پھول سے کیوں؟ داغ تپاں تھا کوئی؟

خار کھٹکا تری نظروں میں، سناں تھا کوئی؟

کج ہوا سر دسے کیوں؟ غیر چاں تھا کوئی؟

لپکا سائے پہ عبث، اُس میں نہاں تھا کوئی؟

خُفقاں تھایہ ترا جس نے ڈرایا تجھ کو

سایہ شاخ گل افعی نظر آ یا تجھ کو!

ہائے وہ صحنِ چمن، صحبتِ یارانِ چمن

شاہِ بزمِ طرب وہ گلِ خندانِ چمن

اور وہ لالہ کہ بھتا شمعِ شبستانِ چمن

ہو گیا داغِ دلِ خانہ ویرانِ چمن

تاسُحَر گاتے تھے جس باغ میں گانے والے
 اب اُٹھا کرتے ہیں راتوں کو دُہیں سے نالے!
 حُکم تیرا ہے کہ فریاد نہ ہونے پائے
 کوئی بلبَل کہیں آزاد نہ ہونے پائے
 دہر میں شہرِ تِ بیداد نہ ہونے پائے
 اور مشہور یہ رُوداد نہ ہونے پائے
 ”نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
 گھُٹ کے مرجائوں یہ مرضی مرے صیتا د کی ہے!“



بلبل کی فریاد

صبا د نے چھڑایا جس دن سے آشیانا
 پہلو میں دل کے بدلے غم نے کیا ٹھکانا
 گلزار سے نکالا، قیدِ قفس میں ڈالا
 بے درد کچھ نہ سمجھا، ظالم نے کچھ نہ جانا
 آزاد تھا کبھی میں، دلشاد تھا کبھی میں
 تھے وہ بھی دن الٹی! تھا وہ بھی اک زمانہ
 روتا ہوں نوحوں کے آنسو آتا ہے یاد جس دم
 غینوں کا مسکھانا، پھولوں کا کھلکا لانا

موج صبا کا چلنا تھم تھم روش روش پر
 شاخوں کا جھوم جانا، سبزے کا لہلہانا
 وہ جانفزا ہوا میں وہ دل کُشا گھٹا میں
 مرغابن ہم نوا کا ساؤن کے گیت گانا
 بارش کی وہ پھواریں، برسات کی بہاریں
 پتلی سی ٹہنیوں پر وہ جھولنا جھلانا
 صحن چمن میں پھرنا وہ شب کو چاندنی میں
 دل میں سُروِ آنا، آنکھوں میں نور آنا
 وہ شام کے نظارے جگنو وہ پیارے پیارے
 وہ صبح کے ستارے، اُن کا وہ جھلملانا
 اِس قیہِ بے کسی کا کب تھا خیال مجھ کو
 مل جائیں کاش! واپس وہ ماہ و سال مجھ کو

بے رحم کے ستم کی کڑیاں اٹھا رہا ہوں

بیداد سہ رہا ہوں، دکھ درد پا رہا ہوں

مجھ بے زباں کی بولی کوئی نہیں سمجھتا

ہر چنپ چنچ کر میں مٹکھڑا سُنا رہا ہوں

قسمت کو رو رہا ہوں میں، اور یہ ستم گر

دل میں سمجھ رہا ہے، خوش ہو کے گا رہا ہوں

اک آگ سی لگی ہے یاد وطن کی دل میں

رورو کے آنسوؤں سے اُس کو بجھا رہا ہوں

سب ہم صغیر میرے خوشیاں منا رہے ہیں

تن تن کے اڑ رہے ہیں اڑ اڑ کے گا رہے ہیں

میرا نصیب مجھ سے گر سازگار ہوتا

میں بھی ترانہ سنجِ فصل بہا رہوتا!

پھولوں کی انجمن سے ہوتی اگر نہ دُوری
 یہ دل مرا نہ ہر گز یوں داغدار ہوتا
 شبنم کے وہ نظارے نظروں سے گز نہ چھپتے
 کیوں زار زار روتا؟ کیوں اشکبار ہوتا؟
 اس قید سے رہائی ممکن اگر نہیں ہے
 میرا بھی کچھ تو چاہا پروردگار ہوتا
 شاخ نہال پر یا پتھر امرا لٹکتا
 پتھرے میں یا ہجوم سرد و چنار ہوتا
 پتھرے کا آب و دانہ یارب! ہے زہر مجھ کو
 کھانا عذاب جاں ہے پینا ہے قہر مجھ کو
 اے کاش! جا کے بیٹھوں پھر کج دلشیں میں
 گاتا پھروں ترانے گلشن کی سرزمین میں

سوزِ نہاں بچھاؤں جوئے چمن پہ جا کر
 پھر جالوں میں اپنے یارِ انِ دانہ چیں میں
 یہ تیلیاں قفس کی، اے کاشن! پھونک ڈالوں
 اتنا اثر تو یا رب! ہو آہِ آتشیں میں
 اُجڑا ہوا نشیمن پھر جا بساؤں اپنا
 اب کے جو تھا بنایا گلہائے یاسیں میں
 کب ہو مجھے رہائی، کب آشیاں میں پہنچوں
 اپنے وطن کو جاؤں، اپنے مکاں میں پہنچوں !



چڑیا کی زاری

اے بدنہاد لڑکے! اے نابکار لڑکے!
 یہ کیا کیا؟ خدا کی تجھ پر ہمارا لڑکے!
 نازل غضب خدا کا تجھ پر اسی گھڑی ہو
 اور موت لے کے خنجر سر پر ترے گھڑی ہو
 ظالم! خدا کرے تو بچپن میں جان کھوٹے
 میری طرح سے تیری ماں زار زار روئے
 بے رحم! کیا بگاڑا ان بے پروں نے تیرا
 نقصان کیا کیا تھا ان بے گھروں نے تیرا

مومن فنا میں ان کو ٹوٹنے ہا دیا کیوں ؟
 ان کا نشان ہستی ظالم ہٹا دیا کیوں ؟
 اب تک نہ تھے انہوں نے سفاک پر سنبھالے
 میرے غریب بے پر ! میرے وہ بھولے بھالے
 رکن کن مصیبتوں سے تھا آشیاں بنایا
 لالا کے تینکا تینکا گھٹا گھر یہاں بنایا
 وہ گھر کہیں پڑا ہے نیچے کہیں پڑے ہیں
 دُور از مکان ویراں بکیں کہیں پڑے ہیں
 وہ میرے پیارے نیچے باختر جگہ وہ میرے
 چشم و چراغ میرے ! نورِ بصر وہ میرے !
 وہ میسرا گھر میں آنا ، اُن کا وہ چھپانا !
 اُن کا وہ لاڈ کرنا ! میسرا وہ صدقے جانا !

کن کن دکھوں سے ہائے بچوں کو میں نے پالا
 پڑنا تھا وائے قسمت! اس پُر جفا سے پالا
 مٹی پر ہائے بچے بیجاں پڑے ہوئے ہیں
 کس نیند میں یہ میرے اماں پڑے ہوئے ہیں؟
 اے میرے پیارے بچو! اماں تمہاری آئی
 چُن چُن کے دانہ دانہ خاطر تمہاری آئی + لالہ
 میں نے سحر سے تم کو پانی نہیں پلایا
 اٹھو کہ اب تمہارے اٹھنے کا وقت آیا!
 خاموش کیوں پڑے ہو منت راجہ کھو لو!
 کیوں روٹھتے ہو مجھ سے! ہاں کچھ تو منہ سے بولو!
 افسوس، نسلِ انساں تجھ میں وفا نہیں ہے
 کہتے ہیں انس جس کو، تجھ میں ذرا نہیں ہے

نالال رہے ہیں تجھ سے سرو و وفا ہمیشہ

باہر نیام سے ہے تیغِ جفا ہمیشہ

ہمساگی میں تیر سی اکڑ ہوئے کیس تھے

لچھن ترے مگر ہم کچھ جانتے نہیں تھے

سختی تری ستمگر! کتنی ہے بے کسوں پر

یہ جبر بے ستا شا! یہ جور بے بسوں پر

غدار! بے وفائی تیری سُرشت میں ہے

تیرا یہی وتیرہ دُنیا ئے زشت میں ہے

تجھ میں کہاں محبت! جس کا ہے تجھ کو دعویٰ

تجھ میں کہاں صداقت جس پر ہے نازِ بیجا

نزدیک نسلِ انساں ہرگز کوئی نہ آئے

اپنے جگہ پہ زخمِ تیغِ ستم نہ کھائے

اس سیل جول کا گر انجہام جانتی ہیں
 کم بخت دل کا کہن ہرگز نہ مانتی ہیں
 جنگل میں جا کے اپنا میں آشیاں بناتی
 شاخ شجر پہ خس کا چھوٹا مکاں بناتی
 رہتی ہنسی خوشی سے، بچوں کو پالتی ہیں
 خطرے میں اپنی جاں کو ہرگز نہ ڈالتی ہیں
 میں ان کو لاکھلاتی جنگل سے جا کے دانے
 جب تک نہیں ہوئے تھے کہن میرے سیانے
 مجھ پر ستم ہوا ہے اے جسم و جاں کے مالک!
 اے مادگر زمیں کے اے آسماں کے مالک!
 میں بے زباں ہوں کہتی فریاد تیرے آگے
 کہتی ہوں اپنے غم کی روداد تیرے آگے

اب کس طرف کو جاؤں میں بے زبان چڑیا !
 میں غم کی ماری چڑیا ! میں خستہ جان چڑیا !



پھلی کی کبتیابی

میری خطا جو تجھ سے کروں التجا تے رحم
 ظالم ! تو وہ نہیں کہ تجھے مجھ پہ آئے رحم
 تھے لوگ رسمِ دل کبھی وہ بھی زمانہ تھا
 اُٹھ ہی گیا ہے اب تو زمانے سے ملے رحم
 دل میں ہے تیرے جو رجفامر کے عوض
 آنکھوں میں تیری قہر ہے ظالم بجائے رحم

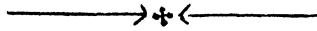
ہے دام تیرے دوش پہ اور ہاتھ میں چھری
 صورت یہ ہو تو کس طرح نزدیک آئے رحم
 سینے میں دل کہاں ہے ترے لختِ سنگ ہے
 ناواقفِ کرم ہے تو، نا آشنائے رحم
 تڑپا نہ اب مجھے، مراقبہ تمام کر
 قدرت نے اختیار دیا، قتل عام کر
 مسرور ہو نہ دیکھ کے بیتابیاں مری
 سرِ پنجہ عذاب میں ظالم ہے جاں مری
 اے بدگماں نہ رکھ مجھے الجھا کے دام میں
 میں نیجاں ہوں اب وہ تڑپ ہے کہاں مری
 میں رہتے والی آہِ باقی دُنیا ئے آب کی
 جلتی ہیں گرم ریت پہ اب پسلیاں مری

کیوں کر سناؤں حالِ دل بے قرار کا
 تابِ فغاں مجھے ہے، نہ گویا زباں مری
 ہو دل میں درد اور سُنے گوشِ دل سے تُو
 صد محشرِ فغاں ہیں یہ خاموشیاں مری
 تقدیر نے اجازتِ فریاد ہی نہ دی
 مجھ کو زباں شکوہِ بیداد ہی نہ دی!
 گوارہ مجھ سے چھوٹ گیا موجِ آب کا
 باعث نہ مجھ سے پوچھ مرے اضطراب کا
 وہ نرم نرم کاٹی! وہ تھل کا فرشِ سبز
 چھوٹا سا آہِ انیمہ آبیِ جباب کا
 خشکی پہ آ کے آہ! جھلستا ہے تنِ مرا
 پیشِ نظر ہے چار سَو عالمِ سُراب کا

ڈالا مجھے بہشت سے دوزخ میں یک بیک
 اے آسمان سبب کوئی اس انقلاب کا؟
 آبِ رواں نہ رو، مری تقدیر فقی یہی
 گردابِ غم نہ کر تو مرے پیچ و تاب کا
 روتے ہیں میرے غم میں رفیقانِ زیرِ آب
 بزمِ عزا ہے آہِ شبستانِ زیرِ آب !
 حیرت میں ہوں نہنگِ قضا ہے کہ آدمی !
 جان دار پر ہیں دانت، بلا ہے کہ آدمی ؟
 پیچھا کیا مرا ملک الموت کی طرح
 پینامِ مرگ مجھ کو بلا ہے کہ آدمی ؟
 شفقت بھری یہ شکل، یہ کروت ہائے ہائے
 ہنگامہٴ خموش جفا ہے کہ آدمی ؟

اے تفت! چھری بغل میں ہے اور منہ میں لہام
 مجموعہ نریب و ریا ہے کہ آدمی؟
 جانیں تدم تدم پستلا ہے زیرِ پا
 یارب یہ کوئی فتنہ اٹھا ہے کہ آدمی؟
 سو سوشرا تیں ہیں جہاں پر بشر ہے ایک
 عقلا ہے خیر، جزو بشر آج شر ہے ایک
 مخلوق ہسم بھی ہیں اُسی پر وردگار کی
 جس کے کرم پہ ہے نظر امیدوار کی
 انصاف پر اسی کے بھروسا ہمیں بھی ہے
 میزال ہے جس کے ہاتھ میں روزِ شمار کی
 کب تک بھلا چھپائیں گی خُون بے گناہ کا
 نیزنگیاں یہ گردشِ لیل و نہار کی

دکھلاؤں گی وہاں دل بریاں کا داغ داغ
 مجھ کو قسم ہے اپنے تن داغ دار کی
 ہے شکہ کی جگہ کہ وہ دن بھی قریب ہے
 شام کی بہت ہوں میں ستم روزگار کی
 کیا جو ترا خدا ہے وہ میرا خدا نہیں!
 فریاد رس وہ "ماہی بے آب" کا نہیں؟



کوٹھو کا بیل

رہٹ خود بھاری ہے، پھر اس پہ یہ پتھر کیسا؟
 جو پر جو را جفائش، ستم گر کیسا؟

پٹی آنکھوں پر مری، دیکھنے والو کیسی؟
 ہائے گرو دشمن تقدیر! یہ چکر کیسا؟
 کس خطا پر یہ ملاتا ہے ہمیں مٹی میں
 آسماں ہم سے ہوا آہ! مکدر کیسا؟
 بدلے کس دن کے لئے بیل بنا کر ہم کو
 اس کو بل جائے گا کیا اتنا ستا کر ہم کو
 ختم ہونے نہیں پاتا وہ سفر ہے اپنا
 ہم چلے جاتے ہیں دن رات، جگر ہے اپنا
 کاش! اسی راہ میں آپڑتا عدم کا رستہ
 اُلٹا افسوس! نصیب باہی گم ہے اپنا
 ہم جہاں ٹھہرے ذرا پیٹھ پہ کوڑا سا پڑا
 دم کہاں لیتے ہیں، اس میں بھی ضرر ہے اپنا

تیل پٹیکے ہے پڑا کوٹھو سے قطرہ قطرہ !

خشک ہوتا ہے ادھر لوہو سے قطرہ قطرہ !

مرغزاروں میں نہ جا کر کبھی سبزہ دیکھا

بہتے دریا کا نہ سر سبز کنارا دیکھا

اپنے ہمنسوں سے جا کر نہ ملے دم بھر کو

کھیل دیکھی نہ کبھی، کوئی تماشا دیکھا

چار دیواری ہی تیلی کے گھر کی دیکھی

اور اس قیدِ ددّامی میں بھلا کیا دیکھا

بیل کوٹھو کا بنائے گئے تقدیر سے ہم

نکلے گردش سے نہ ہرگز کسی تدبیر سے ہم !

تن بہ تقدیر، یہی کام کئے جاتے ہیں

منتظر موت کے مرمر کے جئے جاتے ہیں

لختِ دل کھانے کو ملتا ہے سو کھائی لیتے ہیں
 خون جب تک کہ جگہ میں ہے، پئے جاتے ہیں
 داویرِ روزِ قیامت کے لئے ہم دل پر
 داغ بے ہرئیِ انساں کے لئے جاتے ہیں
 کاش بٹل جائے کہیں سر سے عذابِ ہستی
 ہائے بکب تک رہیں ہم زیرِ عتابِ ہستی !
 کام لیتے ہیں مگر کھانے کو کیا دیتے ہیں
 کیسی بیدردی سے خدمت کا صلا دیتے ہیں
 دشمنِ اہلِ دین ہیں یہ کدورت والے
 خاک میں رنگِ محبت کو ملا دیتے ہیں
 لے کے آ جاتے ہیں چھڑیاں دہمِ آخرِ سرو پر
 حقِ خدمت کو بہت جلد بھلا دیتے ہیں

کیسے ظالم ہیں، نہ کچھ مُزد نہ مَنّت ! یارب !
کوئی ایسوں کی کرے کس لئے خدمت یارب !

اے اجل ! آ کہ ہے اک تیرا سہارا ہم کو
نری آنکھوں سے ہے ڈھارس کا اشارہ ہم کو

ہائے تقدیر ہی تھی دشمنِ جانی اپنی
زندگی دے کے جفا کار نے مارا ہم کو

قیدِ ہستی سے رہائی کا ہو چارا کوئی

اب ہے درکار نہ کچھ گھاس نہ چارا ہم کو

اے خدا ! ملکِ عدم میں نہ ہو کو لٹھو کوئی

ہم کو مل جائے نہ پھر آہ ! جفا جو کوئی !

یادِ ایام

یادِ ایام کا مرانی دل	در حقیقت ہر نوحہ خوانی دل
دل کہ ہنگامہ زارِ محشر تھا	اب ہے وقفِ سکوتِ حیرتِ نا
یاد آتا ہے سادہ پن اُس کا	ہائے وہ ذوقِ سخن اُس کا
آہِ ادہ بیقراریاں اُس کی	اور وہ شعلہ باریاں اُس کی
وہ تپش یہ فسروگی افسوس	وہ خلش اور یہ بے حسی افسوس
شوق کے دینِ وہ ذوق کی رائیں	اب ہیں عہدِ گزشتہ کی باتیں
اُف! وہ ہنس مٹی شہنشاہ	وہ جنوں آشنا دل بیتاب
مہ و انجم سے ہمکلام کبھی	کشتہ برقِ انجم بام کبھی
جلوہ شایدِ سحر ہے ہے !	طالبِ حُسن وہ نظر ہے ہے !

ہائے کتنی حسیں تھی یہ دُنیا حُسنِ مطلق کا عکس تھی گویا
 اس کی وہ دلفریبیاں افسوں دل کی وہ ناشکیبیاں افسوں!
 چھپ گیا حُسنِ آبِ نگاہوں سے ہم جوئے دُور اُس کی راہوں سے
 قحط ہے دل لگی کے سماں کا زندگی ہے سفرِ بیا بیاں کا
 جس میں اُس تھے نسا ط کے پھول منظر اُس راستے کا ابے مَول
 گو وہی کائنات ہے ساری ہو گئی رنگِ حُسن سے عاری
 دلکشی ہے نہ خندہ گل میں نہ اثر ہے نہ اے بیل میں
 سبزہ و گل کی وہ ادا نہ ہی باغِ عالم کی وہ فضا نہ ہی
 منظرِ دھڑرجا بہ جا بدلا رنگِ لیل و نہار کا بدلا
 ہے وہی آسماں وہی خورشید نظر آتی نہیں شعاعِ اُمید
 گو وہی چاند اور ستارے ہیں چٹمکیں ہیں نہ وہ اشارے ہیں
 لطفِ باقی نہیں ہا روں میں نہ ہے برسات کے نظاروں میں

ہے اسی طور اب ہمیں رہنا
پھر غضب یہ کشتہ بھی کتنا!



کبھی کی یاد

(۱)

بتیا بیاں تھیں دن کو اور بے قراریاں تھیں
بیخوابیاں تھیں شب کو اختر ششاریاں تھیں
ہر صبح چشم تر سے ٹوٹنا بہ باریاں تھیں
کیا تھے ہمارے دن کیا لالہ کاریاں تھیں

(۲)

کیا لالہ کاریاں تھیں! کیا تھے بہار کے دن
 وہ بیکلی کی راتیں! وہ انتظار کے دن
 وہ اضطرابِ پیہم وہ خلفشار کے دن
 تھے اس سکوں سے بہتر وہ اضطراب کے دن

(۳)

وہ اضطراب کے دن تھے اس سکوں سے بہتر
 جب دل رہیں غم تھا اور جاں بحال ابتر
 جب داغِ غمائے دل تھے مانسِ ہر انور
 پہلو میں جب کہ دل تھا ہنگامہ زارِ محشر

(۴)

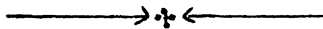
ہنگامہ زارِ محشر پہلو میں جبکہ دل تھا
 دل آہ! جبکہ وقفِ فریاد متصل تھا
 نادائقِ ادائے دنیائے آب و گل تھا
 فطرت میں وہ تپش تھی جس سے شرِ رنجل تھا

(۵)

جس سے شرِ رنجل تھا فطرت میں وہ تپش تھی
 ہر آرزوئے مضطر محمودِ دوش تھی
 کیا عشق میں تپش تھی کیا حُسن میں کشش تھی
 لذتِ فزائے ہستی پہلو میں اک خلش تھی

(۶)

اب دل ہے اور نہ دل میں احساسِ زندگی ہے
 جو غم ہے بے مزا ہے بے کیف ہر خوشی ہے
 اے عہدِ رفتہ تیری کیوں یاد آ رہی ہے
 ہاں یاد تیری آخر کیا ہم سے چاہتی ہے
 اشکِ رواں؟ گھر نہیں بے آب کیا کرے گا؟
 آہ و فغاں؟ اب ان کو تاثر کون دے گا؟



محبت کے کرسٹم

جانِبِ مشرق گئی جب صبح دم خالی نظر
 مبارک اللہ وائزگوں اک کاسہ حسرت فزا تھا آفتاب
 دفعۂ مستانہ میں نے اُس پہ اک ڈالی نظر
 جامِ زریں میں چھلکتی تھی محبت کی شراب

آسماں کو میں نے دیکھا پھر نگاہِ غور سے
 گنبدِ ویراں نظر آیا وہ نیلے سنگ کا
 سر اٹھا کر میں نے دیکھا پھر نہ اُلے طور سے
 تھا وہ اک قصہِ طلسمی لاجوردی رنگ کا

بہ رہا تھا لے کے پانی پیت سا اک رہ گذر
 تینگی دل کا سبب تھی وسعت پہنائے سُندھ
 آہِ حسرتناک میں نے کھینچ کر دیکھا اُدھر
 یک بیک بحرِ محبت ہو گیا دریا تے رُند

بسکہ مجھ کو آرزوئے منظرِ نہیب رہی
 چھان مارا میں نے پھر کہ پتہ پتا باغ کا
 جاتے جاتے انفاسِ اک نظر ایسی پڑی
 عکسِ فردوسِ بریں تھا آہِ نقشہِ باغ کا

غنچہ و گل میں ادا تے دلبری ایسی نہ تھی
 شورِ عملِ عتدلیوں کی تھی ہا و ہو مجھے !

کھل کے جڑے جنت میرے اپنے دل نے دی
گل نظر آیا نگارستانِ رنگ و بو مجھے !

سر و گلشن کچھ نہ تھا اک سیدھا سادہ پیڑ تھا
کھب سکا آنکھوں میں کب پہلو کوئی انداز کا
دیدہ رقصِ انیسریں کا جبکہ جاو چل گیا
چھا گیا اس پر وہیں عالمِ حرامِ ناز کا

ہو گیا خورشیدِ اوجھل آنکھ سے اور سرسبز
گردِ سی اُڑتی نظریں سوائے شام میں
ہو گیا محروم لیکن چشمِ الفت کھول کر
زلزلِ جانان کا تاشانی سوائے شام میں

محل آرائے شبستانِ فلک غائب رہا
 گرچہ شمعوں کی طرح روشن تارے ہو گئے
 لیکن انجم سے لڑیں جب پیار کی آنکھیں ذرا
 انکشافِ راز کو کیا کیا اشارے ہو گئے!

اک تماشا اے محبت، ہیں تری گلکاریاں
 صرف کر دیتی ہے ہر اک چیز میں صنعت نئی
 تیری آنکھوں سے نظر جس چیز پر ڈالی یہاں
 ہو گیا پیشِ نظر جلوہ نیا، رنگت نئی

بدنِ چہروں میں تُو نے حُسن پیدا کر دیا
 جلوہ آئین جب ہوئی خال و خطِ انساں میں تُو
 دل کی ٹھنڈک کے لئے صحرا کو دریا کر دیا
 رحمتِ باری ہے دُنیا ئے سفرِ سماں میں تُو

موہنی

ابتداءئے آفرینش، جلوہٴ صبح بہار
 رُوکش گلزارِ جنت تختہ ہائے مرغزار
 جلوہٴ حُسنِ ازل کی، آہِ اودہ پہلی جھلک
 نوغُوساںِ چین کا، آہِ اودہ پہلا سِنگار
 پتہ پتہ شاخ کا وادیِ ایمن در بغل
 ڈوڑہ ڈوڑہ خاک کا سامانِ طور اندر کنار
 بارشِ حُسنِ سکوتِ آمیز کوہِ ودشت پر
 جیسے سانوں میں ہو کم کما برِ رحمت کی پھول
 حُسنِ فطرت کا تفتِ ضایوں تماشا فی سہ ہے
 جاں کو کر دتے فدا، اور دل کو کر دتے نثار

منظرِ قدرت تو ایسا ہی سُہانا ہے، مگر
 کون دیکھے؟ دیکھنے والے ہیں محو کارزار
 دیوتا و تیت ہیں مصروفِ جدلِ اکِ بحر میں
 ہیں بلوتے اُس کو اور ہوتا ہے امرت آشکار
 کون اب امرت پئے، یہ فیصلہ آساں نہیں
 زندگی اور موت کی سی کشمکش ہے بار بار
 ہو کے منصف، دیکھئے، ثالث کہاں سے آئیگا!
 کون ہے ایسا زمیں پر، آسماں سے آئیگا!
 ہے لبِ بحر رواں اک گلشنِ خاطر نشیں
 سبزۂ تہ سے زمرِ دپوش ہے جس کی زمیں
 سایہ افکن لمبی لمبی دوب پر اشجار ہیں
 وہ رکھنے اشجار جن سے دھوپ چھن سکتی نہیں

اک تناور پیڑ کی شاخوں میں ہے جھولا پڑا
 وا ہے یا آغوشِ شوقِ عاشقِ اندوگہیں
 اور اس جھولے پہ اک مستِ مئے اندازِ حُسن
 ناز پرور، نازنین، نازک بدن، نازِ آفریں
 برقِ طلعت، ماہِ وِش، خورشیدِ زہرہ جلال
 ہے پستیاں کی پرسی، یا محوِ فردوسِ بریں
 جھولتی بیٹھی نظر آتی ہے کس انداز سے
 ناز سے ڈالے ہوئے ڈوروں پہ سب نازین
 ہے یہ وہ تصویرِ خوبی، یہ وہ نقشِ ناز ہے
 غرقِ حیرانی ہر جس کو دیکھ کر ارژنگِ چین
 چاند سا چہرہ ادھر، اور گیبوئے مشکیں ادھر
 ابرکے پردے سے نکلا ہے ابھی ماہِ مبین

شانِ رعنائیِ معیاں ہر عضو سے ہر انگ سے
 اور پھر سب سے ہویدا اک ادا ئے شریکیں
 ایک ساڑھی زیب بر ہے جو گلے سے پاؤں تک
 جسمِ گلگوں سے ہوئی دامانِ گلچیں بالیقین
 ہائے یہ اُٹھتی جوانی اور یہ جو بن کا اُبھار
 ایک ساڑھی میں سمائیں دل کو حیرت سے ہیں
 موتیا کے ہاتھ میں گجرے ہیں یا موتی کے ہیں
 ہم بتائیں، اگر نظرِ جمنے دے حُسنِ آتشیں
 بڑھ چلا سبزہ کہ وہ پائے نگاریں چوم لے
 بوسہ دستِ حنائی کے لئے شاخیں جھکیں
 تازیانہ اور ہوتا ہے سمندرِ ناز پر
 ہیں بکھر جاتے ہوا میں جب کہ موئے غنہ پر

اے صبا! کھولے ہوئے آغوشِ حسرت ہے فلک
 نظام لے پٹری کہ ہو جائے نہ کچھ دھوکا کہیں
 موہنی ہے نام اُس کا، کیسا پیارا نام ہے
 نام و صورت میں تفاوت نام کو اس جانہیں
 دیکھنے والو! ادب سے دیکھنا اس کو کہ ہے
 دونوں عالم کے حسینوں سے نرالا یہ حسین!
 یہ مقدس نازنین دیوی ہے حُسنِ پاک کی
 ہے بجا! دھوکہ پیٹے گر پاؤں اسکے حُورِ عین
 جلوہ گر حُسنِ حقیقی اس کی صورت میں ہوا
 ہیں سبھی خوابانِ عالم جس کی ہستی کے رہیں
 موہنی اعجازِ حُسن اپنا دکھانے آئی ہے
 یعنی امرت دیوتاؤں کو پلانے آئی ہے!

مدرسہ کی یاد

یاد آیا میکہ! خوش طفلِ دلِ بے چارہ تھا
 میری اُمیدوں کا تو اے مدرسہ! گوارہ تھا
 آہ! جب میں وقفِ حسرت تائے گوناگوں نہ تھا
 آہ! جب میں وقفِ نیرنگی گردوں نہ تھا
 میری نظروں میں تھی جب دُنیا مسرت کا مقام
 ہاں ہی دُنیا جو اب ہے لاکھ عبرت کا مقام
 تجھ سے تھا وابستہ میں سرارِ روزگارِ خرمی
 آہ! جب ہر صبحِ نئی صبحِ بہارِ خرمی

عافیت کا کج تھا تو امن کا گھر تھا مجھے
تیرا دامن صورتِ آغوشِ مادرِ تھا مجھے

عندلیبِ خوشنوا تھا، دام سے آزاد تھا

بے قرار بہائے صبح و شام سے آزاد تھا

مثلِ بلبل مجھ کو رہتا جلوۂ گل کا سرور

ہلکا ہلکا آف وہ صبا سے تنہا کا سرور

زندگی خود موسمِ گل تھی، بہارِ آمیز تھی

انبساطِ انداز، دلاویز و نشاط انگیز تھی

مجھ سے دنیا، اور دنیا کے بکھیرے دور تھے

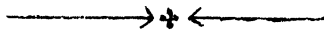
جن میں ہدایت کا اثر ہے، وہ نظارے دور تھے

یوں مرے دل پر مسلط یاس کا عالم نہ تھا

دل تو تھا پہلو میں، لیکن دل میں کوئی غم نہ تھا

سامنے تھا ہر گھڑی روئے دلارائے اُمید
 اب کہاں وہ لذتِ ذوقِ تماشا ئے اُمید
 آہ! وہ ایامِ دلکش واپس آ سکتے نہیں
 اور ہم کھوئی ہوئی خوشیوں کو پا سکتے نہیں
 طفلی و عہدِ مسرت ہائے طفلی اب کہاں
 ہم کہاں اور تیرے دیوارِ دورائے مکتب کہاں
 ساتھ کے کھیلے ہوئے وہ آشنا یانِ عزیز
 یادِ جن کی اب بھی ہے فرحتِ وہِ جانِ عزیز
 وہ کہاں، اور ہم کہاں اے گردشِ لیل و نہار
 لے گئی بہتی بساتی آہ! سیلِ روزگار
 یاد وہ بھی کرتے ہونگے آہ ان ایام کو
 اور بہلاتے یوں ہی ہونگے دلِ ناکام کو

وہ بھی، جن کو تجھ سے اے مکتبِ راحت ہی
 اپنی نافرمانی کے باعث تجھ سے کچھ نفرت ہی
 وہ بھی، ہاں خود وہ بھی جو سمجھا کئے زنداں تجھے
 یاد کرتے ہوں گے اب بادیۂ گریاں تجھے
 کیونکہ دنیا میں میسر گو انہیں عشرت بھی ہو
 اور آزادی بھی ہو، عزت بھی ہو، شہرت بھی ہو
 کس کو مل سکتے ہیں پھر اے مدرسہ طفلی کے دن
 خوابِ توشیں کی وہ راتیں اور بے فکری کے دن!



اپنا گھر

دُنیا میں اگر مسکنِ راحت ہے تو گھر ہے
 ممکن جو کوئی جائے مسرت ہے تو گھر ہے
 درخورد و مَنائے اقامت ہے تو گھر ہے
 اِس دارِ فِنا میں کوئی جنت ہے تو گھر ہے
 درہوتے ہیں دا اس کے بصدِ جوشِ محبت !
 زیب ہے جو کہئے انہیں آغوشِ محبت !
 گھر کا اِن مسرت ہے محبت کے اثر سے
 ایوانِ سعادت ہے صداقت کے اثر سے
 سرمایہٴ دولت ہے قناعت کے اثر سے
 ہمپایہٴ جنت ہے یہ راحت کے اثر سے

گھر ساحلِ دریا ئے حادثہ ہے جہاں میں
رہتا ہے ہیں آ کے بشر امن و اماں میں !

گو عالمِ گلزار ہو سرست سفر میں

گلگشت کا سودا ہو مایا ہوا سر میں

کانٹ سا مگر ایک کھٹکتا ہے جگہ میں

گھر دل میں جو رہتا ہے تو دل رہتا ہے گھر میں

ضبطِ دلِ ناکام کا چارہ نہیں رہتا !

مدت جو گزر جائے تو یار نہیں رہتا !

وحشت سے جو گھر میں کبھی کھجلاتے ہیں تلوے

کانٹوں کے لئے گھر سے نکلاتے ہیں تلوے

جب ہوتے ہیں چھلنی تو مزایا تے ہیں تلوے

پھر خیر سے خود راہ پہ آ جاتے ہیں تلوے

دل تنگ کئے دیتی ہے صحراؤں کی وسعت !
 خود گھر پہ سُکھاتی ہے تمناؤں کی وسعت !
 تسکینِ طلبوں کے لئے گھر دارِ سکون ہے
 رم گھر سے جو کرتا ہے گرفتِ رجنوں ہے
 نیرنگِ سفرِ شمر آزارِ فزون ہے
 آوارگی و دشتِ سفر کا رزبوں ہے
 نقشہ سا کھچا رہتا ہے گھر کا جو نظر میں
 ہوتا ہے یہی باعثِ آرامِ سفر میں !
 کتنا ہی غریبانہ ہو، بیکار نہیں ہے
 گھرِ رفعتِ بامِ دور و دیوار نہیں ہے
 کچا ہو کہ خس پوشش ہو کچھ عار نہیں ہے
 پستی سے کوئی گھر کی نگوشتا نہیں ہے

ہو قصہ شہنشاہ کہ درویش کا چھپس

دونوں ہیں بحیثیتِ کاشانہ برا برا !

بستا ہوا گھرِ رحمتِ باری کا نشان ہے

افلاک سے ہر دمِ برکتِ جلوہ کُناں ہے

نگہتِ گلِ الفت کی وہاں عطرِ فشاں ہے

ہے گلشنِ شاداب کہ بے نقصِ خزاں ہے

یا رب رہے آباد زمانے میں گھر ایسا !

ناکام زمانہ ہو مٹانے میں گھر ایسا !



سُرورِ قناعت

بے تاج اگرچہ سر ہے میرا جانکاہ نہیں ہے دردِ سوز بھی

بے داغ ہے دل بھی اور جگر بھی!

دولت مجھے گو نہیں میسر محفوظ ہیں جسم و روح میرے

عشرت کے تاجِ زبوں سے!

شہرت نہیں گو نصیب مجھ کو حاصل ہے راحتِ یقینی

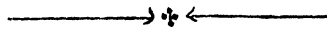
بے خوفِ گزندِ نکستہ چینی!

ہیں دوست اگرچہ میرے دوا یک دشمن نہیں ایک بھی جہاں ہیں

کانٹا نہیں میرے گلستاں میں!

گو حاکمِ مقتدر نہیں ہوں پکڑے گا نہ کوئی میرا دامن

محشر میں مہیاں شور و شیون
 بلے چوڑے خطاب والے کھاتے پس پشت گالیاں ہیں
 گوسا منے اُن کے ڈالیاں ہیں!



بچہ

ایکہ اپنے ساتھ گھر بھر کی خوشی لایا ہے تُو
 کس وطن کی یاد میں روتا ہوا آیا ہے تُو؟
 کون سی دُنیاے خنداں یاد آتی ہے تجھے؟
 رونے والے یاد کس کس کی رُلّاتی ہے تجھے؟
 کیا کوئی زبّیں جزیرہ چھوڑ کر آیا ہے تُو؟
 گلشن فردوس سے منہ موڑ کر آیا ہے تُو؟

یاد ایسے ہی تو کچھ آتے ہیں نظارے تجھے

اجنبی سے اس جہاں کے نقش ہیں سارے تجھے

کس لئے حیرت سے یوں ہر اک کا مُنہ بکھتا ہے تُو

کچھ تو کہنا چاہتا ہے، کہ نہیں سکتا ہے تُو

ہم کو بھی معلوم ہے، تُو ہے مسافر دُور کا

مطلقاً اس دیں کی بولی سے ہے نا آشنا!

ہاں بتا! وہ سرزمین عافیت بختی کون سی ؟

بستی ہے دل میں ترے دلخواہ بستی کون سی ؟

روشنی ہوتی ہے کیسی چاند سورج کی وہاں ؟

ترے چہرہ پر ہویدا ہیں ابھی جس کے نشان !

کس چین کا گُل ہے تُو؟ کس عرش کا تارا ہے تُو؟

کس قدر پاک و روشن ! کس قدر پیارا ہے تُو؟

آہ! اے نودارِ دستِ ہستی! تجھے معلوم کیا
 انقلاباتِ زمانہ ہیں چماتے ہیں دھوم کیا
 آج روتا ہے تو جس دنیا کو زندہاں جان کر
 کل نہ چھوڑے گا اسی کو بارِغِ رضواں جان کر!
 اس قدر مانوس ہو جائے گا اس دُنیا سے تُو
 پھر وطن کی یاد ہوگی اور نہ اُس کی آرزو!
 یاد بھولے سے نہ آئے گا تجھے اپنا وطن
 تُو سمجھ لے گا اسی غربت کو ہی پیارا وطن!
 حاصل اک دن بھی نہ ہوگا گرچہ اطمینانِ دل!
 پھر بھی دُنیا ہی رہے گی شاملِ ارمانِ دل!



بچے کی مُسکراہٹ

نہ ہجومِ آرزو ہے نہ وہ حسرتوں کا جگھٹ
وہ نقوشِ داغِ حراماں ہوئے دل سے مجھٹ پٹ
کہ اُنہیں مٹا گئی ہے
تری ایک مُسکراہٹ!

تری ایک مُسکراہٹ ہے دوا ہزارِ اَلَم کی
تجھے دیکھ کر نہ دیکھے دل زائرِ نکل غم کی
مرے دل کو بھاگتی ہے
تری ایک مُسکراہٹ!

رُخِ یاس کو چھپا دے اثرِ اُمید جیسے

شریبِ نار پر ہو غالب سحرِ سعید جیسے

یونہی دل پہ چھا گئی ہے

تیزی ایک مُسکراہٹ!

نہ قمر کے نور میں ہے نہ سحر کی روشنی میں

نہ شفق کے رنگ میں ہے نہ ہے پھول کی مہشی میں

جو سماں دکھا گئی ہے

تیزی ایک مُسکراہٹ!

ہیں غضب کے خار پہناں گلِ خندہ بُتوں میں

نہ نظر اٹھاؤں اُن پر کبھی گلشنِ جہاں میں

کہ پسند آ گئی ہے

تیزی ایک مُسکراہٹ!

نہ کہے گا کوئی شاعر اسے برقِ خرمینِ دل

یہ ہے صُبحِ نو بہاراں بفضائے گلشنِ دل

گلِ ترکھلا گئی ہے

تڑی ایک مُسکراہٹ!

کوئی چشمہٴ مسترت ترا دل ہے طفلِ ناداں!

یہ تبسمِ پیائے ہے بربنگِ موجِ رقصاں

مجھے خود بتا گئی ہے

تڑی ایک مُسکراہٹ!

نئی بزمِ دہریں ہے ابھی اُنِسا طتیری

ہے بہت سرورِ افزا یہ مئےٴ نشاطِ تیری

جو مجھے پلا گئی ہے

تڑی ایک مُسکراہٹ!

تُو گناہ سے بری ہے یہ ہے وجہِ شادمانی

وہ تری صفائے دل ہے کہ ہوا سنہ بھی پانی

یہ مجھے بتا گئی ہے

تری ایک مسکراہٹ!



عجیب و غریب

طالب ہوئے وہ نظم عجیب و غریب کے

یکھرے ہوئے حواس ہیں شاعر غریب کے

سکتے ہیں قلم کہ لکھے بھی تو کیا لکھے

جو واقعی عجیب ہو، وہ ماجر لکھے

کوئی نہیں یہاں نظر آتی عجیب شے

جو چیز اپنے زیرِ نظر ہے سو کُنہ ہے

روشن بہت کواکب و خورشید و ماہ ہیں
 پر وہ بھی پائمالِ سمنہ نگاہ ہیں
 دیکھی ہوئی ہے سب کی فضا ئے چمن بہت
 ہے داستانِ مبلبل و گل بھی کُن بہت !
 ہرگز نہیں حکایتِ سرودِ فانی
 ہے عشق میں نہ حسن میں کوئی ادا نہی
 ہیں خشن کی طرف سے دل آزاریاں و وہی
 اور آج تک ہیں عشق کی لاجپاریاں و وہی
 کب تازہ بزم و رزم کے منظر دکھاتی ہے
 تاریخ اپنے آپ کو دہرائے جاتی ہے
 سوار کی کسی ہوئی باتوں کو کیا کہیں ؟
 کس بات کو عجیب کہیں یا نبی کہیں ؟

ہیں نظم کائنات کے مضمون کس تمام
 ہوتا ہے اس خیال سے ذوق سخن تمام
 ہاں ایک بات ہے جو نہایت عجیب ہے
 حیراں اسی پہ یہ دل حیرت نصیب ہے
 ہیں سب کمال، ہستی مافی کو جانتے
 اور اپنی زندگی کو ہیں دو روزہ مانتے
 پھر بھی یہ زور حرص و ہوا ہے کہ الآماں
 ہنگامہ زاوہ جسد بقا ہے کہ الآماں
 غالب طلوع فک کہ پہ غفلت کی رات ہے
 اس سے عجیب تر بھی کوئی اور بات ہے؟

نید

راحت افزائے جان زار ہے تُو مرہمِ خاطر نگار ہے تُو
نکستِ صبح نوہار ہے تُو کہ نہایت ہی خوشگوار ہے تُو

بسکہ دل کش اداملی تجھ کو

چشمِ عالم میں جامی تجھ کو!

جب پری کے شب کو آتی ہے کیا عجب شعبدے دکھاتی ہے
گو حیا سے بدن چراتی ہے سو کرشمے دکھائے جاتی ہے

تیرے ہوتے انگار پرودہ نشیں!

پرودے مرگاں کے مطلق اٹھتے نہیں

کچھ سکے ہم سے کیا ترانقشہ کہ دکھاتی ہے منتِ نیا نقشہ

سائے نقشوں میں دلربا نقشہ وہ ترا خواب ناز کا نقشہ!

زگرِ نیمباز کا عالم

خیمِ زلفِ دراز کا عالم

خوابِ معصوم طفلِ نادان کا جلوہ صاف ماہِ تاباں کا

نامِ حسرت کا ہے نہ اداں کا چہرہ آئینہ رُوحِ فرحاں کا

تُو جو سوتے میں گدگداتی ہے

مُسکدِ اہٹ لبوں پہ آتی ہے

کیس خوابِ گراں کی صورت میں اور کیسِ تنگلِ خوابِ احت میں

بنمِ عشرت میں کجِ عشرت میں طرب و عیش میں مصیبت میں

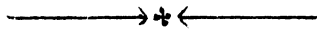
دل سے ہر ایک کو عزیز ہے تُو

خوابِ نوشتیں عجیب چیز ہے تُو

انقلاب

عالم کا ذرہ ذرہ ہے دُنیا تے انقلاب
 ہوتا ہے صبح و شام تماشائے انقلاب!
 فطرت نے بارغ و ہریں کیا کیا کھلائے گل
 غنچوں کے دل میں بھر کے مٹائے انقلاب
 ساحل کو موج، موج کو ساحل بنا گیا
 آیا جو اپنی موج پہ دریا تے انقلاب
 منظر تمام اُس کے تغیر پذیر ہیں
 یہ وادھی کہن ہے تہ پائے انقلاب
 غم سے ملول دل ہے نہ شادماں خوشی ہے
 دُنیا مری نگاہ میں ہے جائے انقلاب

بدلے کبھی ہماری خزاں بھی بہا رہے
 نیزنگ کوئی ہم کو بھی دکھلائے انقلاب
 قائم جو اپنی ذات میں محو ثبات ہیں
 محروم آن کو کچھ نہیں پروائے انقلاب



کیا سے کیا

ولیم ورڈزور تھ کے اشعار کا ترجمہ

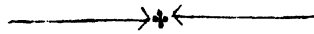
(۱)

پٹی پٹی تھی چشمِ حقیقتِ نگر پہ اور
 بے خون دل مرا تھا فک کے خیال سے

ایسا ہی تھا طلسم کہ میسر اگماں یہ تھا
ہے اُس کا حُسن دُور فِنا سے زوال سے

(۲)

زیرِ زمیں ہے بے حرکت اب پڑی ہوئی
وہ باز دید ہے نہ وہ گفت و شنید ہے
چکریں ہیں زمیں کے ہنڈولے میں رات دن
اک تو وہ گل کا سنگ و شجر پر مرید ہے



مارِ آستین

تیرا کاٹنا بیچ نہیں سکتا ہے مارِ آستین!
کارِ گہ تر یاق تیرے زہر پر ہوتا نہیں

اشرف المخلوق میں ہوتا ہے تو صورت پذیر
 کو برا ہے تو نہ چت کبرا، نہ مار یا سیں
 روز و شب ہنسی ہی تجھ کو اپنے ہمجنسوں کی تاک
 آہ! اے سفاک، کچھ پاس وفا بھی ہو کہیں
 تجھ سے اچھے سانپ گو دشمن ہیں آدم زاد کے
 اپنے ہمجنسوں سے لیکن وہ نہیں سرگرم کہیں
 تجھ سے اچھے سانپ جو دشمن ہیں دشمن کی طرح
 زہر کو وہ زہر بتلاتے ہیں، اور تو انہی گیس
 تجھ سے اچھے سانپ جو ڈستے نہیں چھوڑے بغیر
 ہاں عدو کو وہ چکھا دیتے ہیں زہر آتشیں
 تجھ سے اچھے سانپ جو ہیں وقف حسن ازل
 مست کر دیتا ہے جن کو جلوہ ماہِ مہیں

بین کے نغمے سناتے ہیں جنہیں پیغامِ دوست
 خوب لہراتے ہیں سُن سُن کر نوائے دل نشیں
 معنیٰ خدا صفا کا ہم کو دیتے ہیں سبق
 ہو کے مجھ جستجوئے شاخسائے صد لیں
 تجھ سے اچھے سانپ جن کو از رہِ دل بستگی
 مونگافانِ سخن کہتے ہیں زلفِ عنبریں
 تو بھی اک مار گزندہ، وہ بھی مارِ جانِ تناس
 آستین میں گھر ہے تیرا، دُور وہ خلوت گزین
 اُن سے بڑھ کر کاٹنے والا سمجھتا ہوں تجھے
 میں تو سوکالوں کا اک کالا سمجھتا ہوں تجھے!
 ہو کے اے ظالم! رہ و رسم و فاسے بے نیاز
 دستِ جور اپنے ہوا خواہوں پہ کرتا ہے دراز

کھیلتا ہے آہ! جن ہاتھوں پہ اُن کو کاٹ کر
 ہاتھ کیا آتا ہے تیرے! اے اسیر بند آرز
 تیری باتور میں تملق، تیری گھاتوں میں فساد
 تُو باطن دشمن جاں، اور بظاہر دلنواز
 خم بخم ہیں تیری چالیں مارِ چپاں کی طرح
 ہائے تیرے جوڑ توڑ اے وائے تیرے ساز باز
 راستی تجھ میں نہیں ہے کیونکہ تُو اک سانپ ہے
 سانپ بھی ایسا کہ ہو پھٹکا جس کی جانگداز
 کاٹ لیتا ہے اسے اور پھونک دیتا ہے اُسے
 دوست دشمن میں نہیں ہے تجھ کو ظالم امتیاز
 تیرے پھن میں آہ! اے ظالم غرض کا زہر ہے
 تیرے جیلے ہیں بچے، سُم کی قسم اے جیلہ باز

بیچ ہی ڈالا اُسے بد باطنوں کے ہاتھ جیف !
 جس کے قدموں پر ادا کی تھی یوحنا نے نماز
 داستانِ چاہِ دیوسف جب سے دُنیا میں چھڑی
 بھائی کو بھائی کی ہمدردی پہ نازِ سیاہ ہے ناز
 کون بتلائے کہ سرِ ہنگام دارا کون تھے
 کھول مارِ آستیں کچھ فتحِ اسکندر کا راز
 تُو نہ ہے گیسوئے مشکیں، تُو نہ زلفِ عنبریں
 تیرا سودا ہو جہاں میں کس کو مارِ آستیں !



شاعر اور شاعری

شاعر

شکوہ سنجی آج کرتے ہیں بھری محفل میں ہم
 گرچہ ہیں دلدادہ تیرے نام کے اے شاعری!
 جب سنبھالا ہوش تو پایا اسے تیرا اسیر
 دل پہ سو پھنڈے ہیں تیسے دام کے اے شاعری!
 تیری الفت نے ہمیں آخر نکمنا کر دیا
 ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے اے شاعری!

تیری نسبت سے ہوئے ناکارہ ہم، آوارہ ہم
 ہو گئے مورد ہر ایک الزام کے، اے شاعری!
 تو اگر مقبولِ دوراں ہے تو پھر ہوتے ہیں کیوں
 وار ہم پر گردِ شش آیام کے، اے شاعری!
 کس لئے رکھتا ہے یوں ہم کو زمانہ تلخ کام
 ہم نہ طالبِ نغمہ کے، نہ جام کے، اے شاعری!
 ہو گئے کافی ہماری بے خودی کے واسطے
 صبح کے جلوئے ستارے شام کے، اے شاعری!
 پنختہ کارانِ جہاں کا کعبہ مقصد ہے اور
 ہم بجاری ہیں نمیاں خام کے، اے شاعری!
 اے فدائے روئے رنگینتِ دلِ حیرانِ ما
 شعلہ مضطرب چرا انداختی در حبانِ ما؟

شاعری

میں جواب اس کا تجھے دیتی ہوں مَن اے شکوہ سنج!
 آنکھ سے تیری ابھی پردہ اٹھا دیتی ہوں میں
 جو نگاہ جستجو کی منزل مقصود ہے
 وہ جہانِ حُسن شاعر کو دکھا دیتی ہوں میں
 آئینے اس خاکد اں میں صاف رہ سکتے نہیں
 دل اگر کوئی مکدر ہو، جلا دیتی ہوں میں
 کُفر و دیں سے ہو گیا بالامرحہ جمال
 اک نظر سے تفرقے سارے مٹا دیتی ہوں میں
 عشق کے چہ چوں کو دیتی ہوں نویدِ زندگی
 حُسن کے جلووں کو پیغامِ بقا دیتی ہوں میں!

آور کر دیتی ہوں اس اُجڑی ہوئی محفل کا رنگ
 اپنے افسوں سے اسے جنت بنا دیتی ہوں میں
 گامزن جس پر رہے ہیں صوفیان با صفا
 عالم قدسی کی وہ راہیں دکھا دیتی ہوں میں
 جس کی لے پر بزمِ انجم میں رہا کرتا ہے قص
 گوشِ باطن کو دُہی نغمے سُنا دیتی ہوں میں
 طائرانِ خوشنوا کو پھانسنے کے واسطے
 دامِ رنگیں حُسنِ ظاہر کے بچھا دیتی ہوں میں
 تربیت کے ہوں جو قابلِ ان کو رکھ لیتی ہوں یاس
 باقیوں کو ہاتھ سے اپنے اُڑا دیتی ہوں میں
 اُسچاں اپنی چھڑکتی ہوں بصدِ ذوق و وفا
 دہر میں دلدادہ اپنا جس کو پالیتی ہوں میں

چاہنے والے کا اپنے از رہ عز و دستار
 مرتبہ شاہان عالم سے بڑھا دیتی ہوں میں
 فکرِ دنیا کے عوض دیتی ہوں فکرِ معنوی
 سچ اے محروم کیا لیتی ہوں؟ کیا دیتی ہوں میں؟
 شکوہ تیرا بھی سنا لیکن مجھے جو تجھ سے ہے
 وہ شکایت ایک مطلع میں سنا دیتی ہوں میں
 کب مری زلفوں کے پھندوں میں الجھ کر رہ گیا؟
 ول تر اُ دنیا کے دھندوں میں الجھ کر رہ گیا!

مناظر قدرت

صحرا

شہر کی گلیوں میں گھبراتا ہوں میں دل کو بہلانے یہاں آتا ہوں میں
 دل کی آسائش یہیں پاتا ہوں میں تیری وسعت پر مٹا جاتا ہوں میں
 گو نہیں مجھ کو جنوں، سودا نہیں
 تجھ سے بڑھ کر جا کوئی صحرا نہیں!

شہر ہے میرے لئے دشتِ جنوں دل کو واں حاصل نہیں ہوتا سکوں
 شعلہ زن ہے آتشِ دنیاے دوں رکھتی ہے دل کو سدا سیما بگوں

آدہ پر تیری نیم خوشگوار

ہے مجھے سرمایہ صبر و قرار

میں قریب شہر کچھ باغ و چمن بیگیاں ہے دلکش جن کی پھین

ہیں شگفتہ ان میں نسرين و سمن طائر ان خوشنوا ہیں نغمہ زن

بلبل و گل کے مگر جھگڑوں کے خار

پہلوئے تسکین کو کرتے ہیں فگار

ہے جو حاصل تیرے دامن میں قرار وہ کہاں پہنچتا رہوں شہر و دیار

خاک تیری مہرِ مہم قلبِ فگار سوزِ زخمِ جگر ہر نوکِ خار

ہے تپ دنیا اتر جاتی یہاں

روح کچھ کچھ چین ہے پانی یہاں

ناتہر عنائے لیلائے خیال تنہ میں آتا ہے نظر باصدا جمال

دل سے مٹجاتے ہیں فرقت کے ملال تیری محفل ہے مجھے بزمِ وصال

تیری جلوت میں ہر خلوت کا سماں

تیری کثرت میں ہر وحدت کا سماں

دمِ نخیل کا نہیں گھٹتا یہاں ہے زمیں پھیلی ہوئی، دُور آسماں
دیکھ کر افکار کی جولانیاں گرد میں ہوتا ہے خود صحرا نہاں

ہے یہاں وسعت خیالوں کے لئے

ہے یہ میدانِ فکر والوں کے لئے!

روبرو ہے ہر طرف ساری زمیں صاف آتا ہے نظر چرخِ بریں
آہ! جنگل کی فضا ئے دل نشیں کوہ و دریا کے مناظر ہیں کہیں

گھومتا ہے ہر طرف خطِ نظر

مرکزِ اود و اعِ عالم ہے بشر!

ہے ترا ہر فصل میں منظرِ نیا دیکھتا ہوں میں تجھے اکثر نیا

سبز جوڑا ہے کبھی تن پر نیا لالہ و گل کا کبھی زیورِ نیا

سال میں کیا کیا بدلتا رنگ ہے

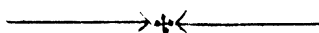
اک سے اک بڑھ کر نکلتا رنگ ہے!

تُو ٹھکانا غم کے ماروں کے لئے امن کا گھر بے قراروں کے لئے

دل کی راحت و لہکاروں کے لئے الغرض ایسے ہزاروں کے لئے

دہر میں اک بے بدل ماوا ہے تُو

جنت الماوا ہے یا صحرا ہے تُو!



آندھی

توصیف لب پہ لالہ و گل کی سدا ہی

پیش نظرِ خمارِ شِسِ با و صبا رہی

محروم! دُفسریب یہ طرزا دا رہی
 اک ڈھنگ پر مگر تری طبع سا رہی
 اب یہ دکھا کہ رنگ بدلتی ہے کس طرح
 آندھی کلور کوٹ کی چلتی ہے کس طرح!
 وہ گرد کا پہاڑ اٹھا پھر مثال سے
 بالیدگی میں دو قدم آگے خیال سے
 صورت میں ہے اگرچہ یہ باہر مثال سے
 آتی ہے فوج دینظر چال ڈھال سے!
 روپوش اس کے خوف سے کوہ گراں ہوا
 ہلیت وہ ہے کہ زردِ درخ آسماں ہوا!
 ہرمت آ رہی ہے سرا سبکی نظر
 بے چارگی کی بن گئے تصویر رب شجر!

شاخوں میں چھپتے پھرتے ہیں طائرِ ادھر ادھر
 ماسن کی راہ دوڑ کے لینے لگے بشر
 چوپائے بھانپ کر یہ مصیبت کہاں گئے؟
 ان بے کسوں کے سینک سمائے جہاں گئے!
 آتی ہے مثلِ اژدرِ صحرا مچھنکارتی
 لٹکارتی فلک کو زمیں کو پُکارتی
 ذردل کو نابہ چرخِ پیارم اُبھارتی
 اُڑتے ہوؤں کو لوحِ فضا سے اتارتی
 یکساں بلند و پست پہ چھاتی ہوئی چلی!
 ہل چل زمیں زماں میں مچائی ہوئی چلی!
 جڑ سے اکھڑ کے نخلِ تنہا اور کہیں گرا
 ٹھنک کسی غریب کے سر پر کہیں گرا !

چٹا اڑا کہیں سے تو چھپ کر کہیں گرے
 دیوار سے اُکھڑ کے کوئی دم کہیں گرے
 جو چیمہ نہ صحن میں مٹی وہ صحرایں جا پڑی
 اہل زمیں پہ کیسی یہ آفت آ پڑی !
 چکڑے گرد باد کے چکرا گئی زمیں
 دیکھا یہ زور شور تو گھبرا گئی زمیں
 جھونکوں کے ساتھ اڑتی ہوئی آگئی زمیں
 بس اب کسی ستارے سے ٹکڑا گئی زمیں !
 آسمان ہیں ظہورِ قیامت کے سرسبز
 اجزائے دھڑھڑھوتے ہیں اے وائے منتشر !
 جب آسمان پہ اس کا علم ہو گیا بلند
 کرنے لگے سچاؤ کی تدبیر ہوشمند

تا با دم چرخ جس کی رسائی ہو بے کمند
 کس کی مجال ہے جو کرے اس کی راہ بند
 چھپ چھپ لاکھ بیٹھے کب چھوڑتی ہے یہ
 دروازے کھٹکھٹاتی نہیں۔ توڑتی ہے یہ !
 آندھی نہیں نمونہ تشر خدا ہے یہ
 شعلوں سے تند خو ہے بظاہر ہوا ہے یہ
 بارش ہے جس کی خاک وہ کالی گھٹا ہے یہ
 تھمنے پہ اب تو آگئی شکر خدا ہے یہ
 صحرا کی طرح بند مکانوں میں گر دے
 نختنوں میں، منہ میں آنکھوں میں کانوں میں گر دے !
 افسوس میں ہوں اور یہ صحراٹے ہولناک
 اڑتی ہے جس میں شام سحر آسماں پہ خاک !

ہیں جُٹ جاتے سرو تو گلبن کے بدلے آگ
 دل اس الم میں دامن گل کی طرح ہے چاک
 ان خالکباریوں سے گئی وہ صفائے طبع
 اب پھول کیسا زمین سخن میں کھلے طبع؟



عالمِ آب

دریا تے سندھ کی طغیانی کا نظارہ
 جامِ لبریز کی مانند چھلک کر دریا
 دُور تک اپنے کناروں سے پرے پھیل گیا
 ہر طرف پانی ہی پانی کا جو نقشہ دیکھا
 مصرعہ تریہ کسی کا مرے لب پر آیا

ہر کجا مے زنگرم، عالم آب است اینجا !

ہوئی اس درجہ سرسبز زمیں وسعت آب

کہ فلک مجھ کو نظر آنے لگا مثل حجاب

آب در آب ہے یا پانی میں ہے عکس حجاب

بچے اوپر ہی پانی کے نظارے ہیں جناب

ہر کجا مے زنگرم، عالم آب است اینجا !

فوج امواج نے ہر سمت جو مارے میداں

کثرت آب سے اب بھر ہیں سارے میداں

دور پانی سے جو تھے ایک کنارے میداں

سرسبز ہو گئے غرقاب بچا سارے میداں

ہر کجا مے زنگرم، عالم آب است اینجا !

قریب و دہرہ میں دکھاتا ہے روانی پانی

گلی کوچوں میں خرابی کا ہے بانی پانی
 گاؤں والوں کا ہوا دشمن حبانی پانی
 غرض آبادی و ویرانہ ہے پانی پانی
 ہر کجائے زنگم، عالم آب است اینجا!
 ہے کہیں ڈوبا ہوا سبزۂ تر پانی میں
 اور پودے ہیں کہیں تباہ کمر پانی میں
 کیا تعجب؟ ہیں گراستادہ شجر پانی میں
 یہ جگہ وہ ہے کہ رہتے ہیں بشر پانی میں!
 ہر کجائے زنگم، عالم آب است اینجا!
 پانی رُک رُک کے ہوا جاتا ہے بتیاب کہیں
 موجیں اٹھتی ہیں کہیں، اور ہے گرداب کہیں
 کہیں اک زور کا ریلہ ہے تو سیلاب کہیں

تا بگردن ہے کہیں اور ہے پایاب کہیں
ہر کُجا مے نگرَم، عالم آب است اینجا !



مُلبَل

پھولا ہوا ہے کس لئے؟ کیا مُلبَلے میں ہے
اللہ! کون سی یہ ہوا مُلبَلے میں ہے
اُف! کس قدر غرور بھرا مُلبَلے میں ہے
فرعون کوئی آکے چھپا مُلبَلے میں ہے
کتنا اُبھار، کتنی اکڑ، کیسی شان ہے
پانی کی ایک بوند میں کیا آن بان ہے!

ہے آب و تاب خوب، مگر یہ گُھر نہیں
 ہے تاج یہ کسی کا، مگر زیبِ سر نہیں
 گنبدِ عجیب سا ہے، مگر کوئی در نہیں
 سر میں ہوا ہے اس کے، مگر یہ بشر نہیں
 دَمِ خُم کے ساتھ بھی نہیں تلوار بلبُلہ
 پھر چنیر کیا ہے اے اَلوالبصار بلبُلہ!
 یارب! کسی کا آبلہ پا ہے بلبُلہ
 یا دل جلوں کے دل کا پھپھولا ہے بلبُلہ
 فوراً نہاں نظر سے جو ہوتا ہے بلبُلہ
 نجمہ کو یقین ہے بھئیہ عنقا ہے بلبُلہ
 یہ بلبُلہ ہے یا کہ طلسمِ حیات ہے!
 پید ا بھی ہوا ابھی نذرِ ممات ہے!

چھوٹا سا ایک خیمہ آبی کہوں اسے
 یا گنبدِ فلک سے میں تشبیہ دوں اسے
 جامِ بلور ہے جو کروں واژگوں اسے
 کس مست بادہ خواہ نے پھینکا نگوں اسے
 کس نازنین کی بزم کا یارب! یہ جام ہے
 سارے جہاں کی ناز کی جس پر تمام ہے!
 محروم! اس کو چشمِ بصیرت سے دیکھئے
 اپنی نگاہِ عاشقِ قدرت سے دیکھئے
 کچھ سوچئے جنابِ انہجیرت سے دیکھئے
 ہر ایک شے کو دیدہٴ عبرت سے دیکھئے
 جو بے کُنہ رازِ نہاں کے لئے یہاں
 عالم کا ذرہ ذرہ ہے اسرار کا جہاں

✓ ہے وقت موج آب رواں اور یہ بشر
 ہے بلبلہ کہ اپنی فنا سے ہے بے خبر
 آجائے ایک موجبہ باؤفنا اگر
 رہ جائے بلبلے کی طرح ٹوٹ پھوٹ کر
 کرتا ہے بلبلہ سبق آموزی فنا !
 دیتا ہے آدمی کی حقیقت کا یہ پتا
 پانی کی بوند بوند بشر اور حباب ہیں
 اور دونوں اس جہان میں نقش بر آب ہیں
 دونوں غرور سے مست و خراب ہیں
 اور اس لئے غولقی یلم پیچ و تاب ہیں
 دل میں اگر خودی نہ ہو، سر میں ہوا نہ ہو
 ہوں اپنی اپنی ذات میں، صورت جدا نہ ہو !

سندھ کو پیغام

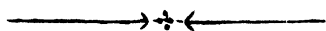
اے روڈ کُرم! کیجیو پیغامِ رسانی
 جب دُور سے آجائے نظرِ سندھ کا پانی
 جو کچھ کہوں، اللہ! اُسے یاد سے کہنا
 حسرت بھری آوازیں، فریاد سے کہنا
 کہنا کہ مسافر کوئی آوارہٴ غربت
 دیتا تھا سلام اور یہ کہتا تھا بہ حسرت
 اے آپ اباسیں کہ بصد موجِ رواں ہے
 معلوم ہے تجھ کو، تیرا شیدائی کہاں ہے؟

باچاکِ گریباں وہ کہیں خاکِ بسر ہے
 مشغولِ تری یاد میں بادیدہ تر ہے
 آتے ہیں اُسے یادِ ترے سہر کنارے
 بیچارے کی آہوں سے نکلتے ہیں شرارے
 وہ سبزہٗ ساحل کا ترے نرم بچھونا
 ساؤن میں مرا زیرِ شجرِ چین سے سونا
 ساؤن کی گھٹاؤں کا وہ پھر جھوم کے آنا
 وہ ناچنا موجوں کا، پرندوں کا وہ گانا!
 طفلی وہ مری، اور وہ معصومِ منگیں
 اے دوائے دلِ خوش کُن موہومِ منگیں
 وہ کھیلنا میرا تری امواج سے دن بھر
 وہ چھڑ مری بلبلے کے تاج سے دن بھر

خورشید جہاں تاب کا وہ چھب سے نکلنا
 محروم کا وہ شوق میں بستر سے اچھلنا
 نورانی دوپٹے میں کرن کا وہ بکھڑنا !
 سوناز سے اُس کا وہ عروسانہ اترنا !
 تعظیم میں اُس کی، وہ تیری ناصیہ سائی
 اور ذوق تمنا میں وہ آغوش کشائی
 وہ چھپیڑنا اُس کا تجھے اور آ کے نہانا
 اے سندھ ! وہ تیرا اُسے چھاتی سے لگانا
 کیا خوب تھے برسات میں قدرت کے نطائے
 کثرت نے دکھائے مجھے وحدت کے نطائے
 وہ کون سا قطرہ تھا جو ہستی کو مٹا کے
 آگاہ نہ کرتا گیا اسرارِ بقا سے

پھرتا ہوں اُسی خواب پریشاں میں ابھی تک
 نقشے ہیں وہی دیدہ حیراں میں ابھی تک !
 اے آہ ! وہ بجزوں کی روانی کے نظارے
 بھولیں گے نہ مجھ کو کبھی پانی کے نظارے
 ملاحوں کے ہیں گیت مجھے یاد ابھی تک
 چپکے سے ہے گاتا دل ناشاد ابھی تک
 قابو سے نکل کشتی کا گرداب میں آنا !
 ملاح کی عورت کا وہ یوں شور مچانا !
 ”اللہ بچالے ! مرے اللہ بچالے !
 عاجز ہوں میں سب کچھ ہے مرا تیسے حوالے
 او ورطہ خوئخوار بیہ امید نہ کرنا
 اے میرے خدا ! مجھ کو تو برباد نہ کرنا !

ہاں! الہوداے حضرت الیاس بچانا
 بے کس ہوں، بچانا، ہے تری آس بچانا
 کس کینج میں خوابیدہ ہو پورب کی ہواؤ!
 پہنچو مری کشتی کو تمہیں آکے بچاؤ
 تقدیر نے کشتی جو پھنسانی ہے بھنور میں
 کشتی مری امید کی آئی ہے بھنور میں!



کنارِ راوی

غمِ دل آفتِ سداوی ہے زندگی موت کے مساوی ہے
 زخمِ پہاں جگہ پہاوی ہے اشکِ ریزی جگہ تراوی ہے

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے

میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے!

ہم کہاں اور سیرِ باغ کہاں ذوق و شوق و دل و دماغ کہاں

گلشنِ و سدر میں فراغ کہاں چین دیتے ہیں دل کے داغ کہاں

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے

میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے!

اڑ چلے طائرِ آشیانوں کو ملا آرام باغبانوں کو

نغمے یاد آئے نغمہ خوانوں کو کیا کروں میں ترانوں کو

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے

میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے!

خواہ چرواہے، خواہ چوپائے شوق سے اپنے گھر کو پھر آئے

خانہ ویراں کو گھر جو یاد آئے کیا کرے؟ ہائے! کوئی بتلائے

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے

میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے!

میرتا باں تھا مائل آرام کوہِ مغرب میں جا کیا بسرام
سو گیا لے کے تن پہ چادرِ شام اُس کے آرام سے مجھے کیا کام

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے

میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے!

آنکھ کھولی ادھر ستاروں نے جلوے دکھائے ماہِ پاروں نے
گوا اشارے کئے ہزاروں نے آنکھ اٹھائی نہ غم کے ماروں نے

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے

میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے!

جلوے دکھائے گورے گالوں نے جال پھیلے کالے بالوں نے
دل کئے نذر شوق والوں نے مجھ کو گھیرا مرے خیالوں نے

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے

میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے!

کسی بچھڑے ہوئے رملے ہونگے شکوے کچھ ہونگے کچھ گلے ہونگے

آرزوؤں کے گل رکھلے ہونگے دامنِ شوق میں رصلے ہونگے

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے

میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے!

مبیکدوں میں چراغ روشن ہیں فُورے سے ایلاخ روشن ہیں

کرکبِ شب چراغ روشن ہیں یامرے دل کے داغ روشن ہیں

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے

میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے!

بیقراری ہے، کیا خبر، کیوں ہے؟ آہ و نازی ہے، کیا خبر، کیوں ہے؟

دلفکاری ہے، کیا خبر، کیوں ہے؟ اشکباری ہے، کیا خبر، کیوں ہے؟

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے

میں ہوں اور میری سینہ کا دی ہے!

آہ! اے درونِ جوانی، آہ! آہ! اے موت کی نشانی، آہ!

کیا ہوئی دل کی شادمانی، آہ! ہے کدھر مرگ ناگمانی، آہ!

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے

میں ہوں اور میری سینہ کا دی ہے!

دلِ وحشی کا مدعا غم ہے، ابتدا غم ہے، انتہا غم ہے

یوں تو دل پر مرے سدا غم ہے، غمِ مرگِ پذیرِ نیا غم ہے

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے

میں ہوں اور میری سینہ کا دی ہے!

المدد! بیل گریٹ خوشناب سوزِ پنہاں سے ہو چلا ہوں کیا ب

گلخنِ غم میں ہے دلِ بیتاب کہ تڑپتا ہے صورتِ سیما ب

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے!

عید بھی ہو مجھے محرم ہے میرا سینہ ہے، خنجرِ غم ہے
خونِ نقشاں کب سے چشمِ پرِ غم ہے دشتِ غربت ہے شامِ ماتم ہے

شامِ غم ہے، کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے!

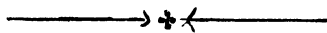


گنگا جی

جوشِ زنِ رحمتِ یزداں ہوئی دریا ہو کر
بہ چلی عالمِ اجسام میں گنگا ہو کر!

آئی ہے رہسرو عالم بالا ہو کر
 رہ گئے کچھ ترے قطراتِ ثریا ہو کر!
 عرش اور فرش ہوئے تجھ سے منور گنگا
 منظرِ نورِ ازل ہے تُو سراسر گنگا!
 نورِ سیال ہے یا جلوۂ رقصاں ہے تُو
 حیرت افروزِ دل و دیدہ حیراں ہے تُو
 کس دلاویزی و تیزی سے خراماں ہے تُو
 مجھ کو حیرت ہے نمایاں ہے کہ پنہاں ہے تُو
 حُسنِ میناب! نمائش سے پشیاں کیوں ہے؟
 پردۂ رُخ ترا جلوہ ہے گریزاں کیوں ہے؟
 کیوں گریزاں ہے کہ دنیا کو ضرورت ہے تری
 حاجیِ ظلمتِ عصیاں ابھی طلعت ہے تری

رُوح کو پُچھیں ملے جس سے وہ صورتِ تری
 دافعِ آفتِ آلامِ محبت ہے تری
 یاد آجاتی ہیں جس دم تری گنگا موجیں
 مازتا دل میں ہے تقدیس کا دریا موجیں!
 منزلِ عالمِ اسرار کتنا تیرا
 ساحلِ بحرِ حوادث ہے سہارا تیرا
 چشمِ جو یا کو غنیمت ہے نظرِ آ تیرا
 کہ ہے فردوسِ نظرِ حُسنِ دلِ آ تیرا!
 پاک رُوحوں سے تری انجمنِ آباد رہے!
 نغمہٴ اوم سے ترا چمنِ آباد رہے!



ہلالِ عید

دیکھو! دیکھو! وہ میں نے دیکھ لیا قلّہ کوہ سے ذرا اونچا
چھپ گیا! چھپ گیا! کہیں دیکھو پنہر سرائے گا وہیں دیکھو
وہ جو ہے سامنے شجر دیکھو! اُس سے اوپر اٹھا نظر دیکھو!

اے لو! اے لو! وہیں نظر آیا

مردہ! اے شائقینِ نظر آیا!

مرحبا! اے ہلالِ شامِ سعید لے کے آیا ہے تُو بشارتِ عید
مغربِ صبحِ عیش و عشرتِ عید تجھ سے وابستہ ہے سعادتِ عید
مردہ عید ایک شب پہلے لائے گا، جانتے تھے سب پہلے
پر یہ تھی انتظار کی صورت کہ نہ دیکھی تھی راز کی صورت

مفتازِ جستجو میں پیکِ نظر دشتِ بالا میں گرمِ قطعِ سفر
 کہ یکا یک کرم کیا تو نے اپنا چہرہ دکھا دیا تو نے
 تو کفیلِ نشاطِ عالم ہے باعثِ انبساطِ عالم ہے
 تو عجیبے ہے میکشوں کے لئے کشتی مے ہے میکشوں کے لئے

دور سے یہ ترا اشارا ہے

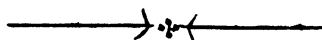
اُج پر عیش کا ستارا ہے!

واہ! اے شاہِ کمال ابرو کس ادا سے تنہا ہوا ہے تو!
 خود نمائی بھی ہے ادا بھی ہے اس پہ پھر کا ہش حیا بھی ہے
 یہ ترا بانگین! یہ رعنائی! بزمِ بالا میں خلوتِ آرائی!
 ہے سزاوارِ تجھ کو ناز و غرور کھینچ بیشک تو اپنے آپ کو دور
 سارا عالم ہے ترا شیدائی سب کو دیکھا ترا تاشائی
 تھی زمانے کو جستجو تیری محفلوں میں تھی گفتگو تیری

چشم بدوور! کیا نزاکت ہے
تجھ پہ بارِ نظر بھی آفت ہے!

یوں عیاں ہے شفق کے امن میں	جیسے مہر و ہو کوئی گلشن میں
یا کوئی جیسے خنجرِ نازک	زینتِ دستِ دلبرِ نازک
خونِ عاشق سے سرخ و ہو	ناز کرتا ہو اپنی برش پر
یا کوئی جیسے نقشِ کشتی	قلزمِ سُرخ پر ہوتی رہی
اک جاں اُس کا ہوتا شانی	کرتی جائے وہ بحرِ پیمانی
رفتہ رفتہ نظر سے غائب ہو	تکتے رہ جائیں لوگ سب اُس کو

اے لولہ! سچ مچ وہ صورتِ زورق
ہو گیا گمِ مہیاںِ شام و شفق!



ماہِ تاباں

چرخِ پرکس کا چراغِ انجمنِ روشن ہوا
 فور سے جسکے مرا بیتِ الحزن روشن ہوا
 چاندنی گلگشت کو اُترئی جمنِ روشن ہوا
 آشیانِ عندلیبِ نغمہ زنِ روشن ہوا
 مرحبا اے ماہِ تاباں، جب اے چاندنی!
 دیرِ باش اے ماہِ تاباں، خوش بیا اے چاندنی!
 اومہِ تاباں! تراکب سے تماشا ئی ہوں میں!
 تیرے جلوں سے جنوں بڑھتا ہوسودائی ہوں میں
 سرِ برہ و رفتہ شانِ دل آرائی ہوں میں
 حُسنِ دلکش کی قسم! تیرا تمنا ئی ہوں میں

شاہدِ اوجِ فلک! ہاں مسکرائے جائیوں ہی!
اور مجھ کو نپیکرِ حیرت بنائے جائیو نہی!

تھا کبھی تو ایک جادو کا کھلونا ہائے ہائے

وہ نظر آنا ترا، حاصل نہ ہونا ہائے ہائے

رات کو پہروں مچلنا، اور نہ سونا ہائے ہائے

نیند کی وادی میں آخر تجھ کو کھونا ہائے ہائے

وہ ہجومِ ذوقِ پنهانی دلِ بے تاب میں

تیرے پیچھے اڑ کے جانا آسماں پر خواب میں!

تجھ کو خالق نے بن کر آہ! پتلا نور کا

نور کی پوششِ عطا کی، اور سراپا نور کا

دے دیا تاروں کا جھومر، یعنی گستاخ نور کا

اور نورانی گلے کا زیب، ہالا نور کا

موہنی مورت نے پایا کیا مزاج نرم ہے
 اے حسیناں تکبرِ خود! مقامِ شرم ہے!
 دیکھتا ہے کس نظر سے آہِ ہیئتِ دالِ تجھے
 ہے بنا دیتا وہ ظالم خطہٴ دیاں تجھے
 کیوں بنائے اک معلق گول کو ہستاں تجھے
 اس کے کہنے سے مگر کیا اے ماہِ تاباں تجھے
 اس کی باتوں سے تری رونق بھلا کیونکر ہو ماند
 یہ مثل ہے خاکِ ڈالے سے کہاں چھپتا ہے چاند
 تجھ کو یہ الزام بھی ملتا ہے اے روشن عذار
 روشنی مانگی ہوئی ہے، حسنِ تیرا مستعد
 ان کے طعنوں سے نہ کر ٹوپا اپنے دل کو داغدار
 ہاں اسی قانون پر ہے سارے عالم کا مدار

وہ بھی لیتا ہے کسی سے، جس سے تولیتا ہے نور
 اور ہے وہ نور والا، سب کو جو دیتا ہے نور!

چاند سورج جس کے لاکھوں ہیں ستارے بحیاب
 کتنے ساکن ان میں ہیں، کتنے ہیں سرگرم شتاب
 ہے ضیاء جن کی انوکھی، حُسن جن کا لا جواب
 تیری صورت کے بھی ہیں ان میں کئی اے ماہتاب
 نور کا مخزن ہے اک، سب کو دئے جاتا ہے نور
 وہ سراپا نور ہے، دُنیا میں پھیلاتا ہے نور
 آہ! پھر اس خاکدانِ تیرہ میں ظلمت ہے کیوں؟
 سایہٴ عصیاں سے کالی رات کی صورت ہے کیوں؟
 بحرِ ہستی میں بپا طوفانِ پرِ آفت ہے کیوں؟
 کیوں جہازِ عمر چکراتا ہے؟ یہ ہیبت ہے کیوں؟

کیوں یہ ہیبت ناک تجنیس ہیں؟ یہ کیسا شور ہے؟
 بڑھتا جاتا کیوں مصیبت کی گھٹا کا زور ہے؟

تو کہہ رہے آہ! اے جن ازل کے ماہتاب

تا کجا اوٹھے رہے گام نہ پہ دامانِ سحاب؟

خانہ دل ہو نہ جائے اس اندھیرے میں خراب

ڈال دے کوئی شعاعِ شفقت آلودہ شباب

تیرے جلوے کا شن! ہو جائیں قریب چشمِ دل
 خوابِ غفلت ہو نہ پھر ہرگز نصیبِ چشمِ دل!

وقتِ سحر

ستاروں کا گلزار وقفِ خزاں ہے
 بہارِ سحر سے جہاں شاوہاں ہے
 شفق سے فلکِ تختہ ارغواں ہے
 زمیں روکشِ ساحتِ گلستاں ہے

مسترت سے لبر نریار ا جہاں ہے

سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے !

نہ تھا خوابِ غفلت ذرا موت سے کم جہاں پر تھا شہرِ خموشاں کا عالم

نیسم سحر بکہ تھی عیسوی دم دوبار ا ہوا ایک بیک زندہ عالم

نئے سرے پھر آگئی سب میں جاں ہے

سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے !

نیسم سحر دل گشا، روح پرور شمیم گل تر سے عالمِ معطر

پرندوں کے جان بخش نغمے ہوا پر وہ نائیں کہ ہر آن جن سے برابر

سرور کے نشاد مانی عیاں ہے

سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے !

پیامِ مسترت صبا لے کے آئی ہنسے پھول، ہر اک کلی مُسکراتی

شکوہ فے ہوئے مائل لب گشائی طیورِ چمنِ محو رنگیں نوائی

ہجومِ طرب باغ کے درمیاں ہے

سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے!

وہ سوتا ہے شب بھر جو بیمار جاگا وگرنہ نہیں کون جائدار جاگا

عبادت کو مردِ نکو کا رجاگا خرابات میں رندِ مے خوار جاگا

اٹھا طفلِ کم سن تبسمِ کُناں ہے

سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے!

اذاں اور ناقوس نے غل مچایا کہ اے نافرما! وقت اٹھنے کا آیا

مبارک ہیں بیشک وہ انساں خُدیا ترے سامنے سرِ جنوں نے جھکایا

یہی وقتِ نغمِ سعادت نشان ہے

سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے!

شہنشاہِ خاور کا پا کر اشارا ہُوئی ہے وہ پہلی کرنِ جلوہ آرا

سرِ تاجِ زریں ہوا آشکارا وہ ظاہر ہوا روئے خورشیدِ سارا

زمین تابِ شبنم سے گوہر نشاں ہے

سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے!

چمکتا ہے سورج، دمکتی ہے مینا لپکتی ہیں موجیں، جھمکتے ہیں دریا

چمکتی ہیں کلیاں، لہکتا ہے سبز ہمکتا ہے گلزارِ عالم سراپا

چمکتی اڑی بلبلِ نغمہ خواں ہے

سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے!

وہ ہل چل مچی شہر و دشت و جبل میں تہوج سا پیدا ہوا جل میں، تھل میں

نئی تازگی آگئی پھول پھل میں چمک اُٹھے شبنم کے قطرے کنول میں

رگِ دہر میں خونِ فرحت رواں ہے

سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے!

سنہری ہوئی گوہر ساروں کی رنگت پہیلی ہوئی آبشاروں کی رنگت

غضب ڈھانسی لالہ زاروں کی رنگت ہے اک برگ میں سو بہاروں کی رنگت

زمین چین عکس باغ جٹاں ہے

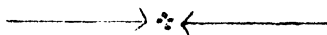
سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے!

اُٹھا ذوقِ نظارہ میں مُنہ اندھیرے نظر آئے نورِ سحر کے پھر میرے

لکھی نظم و کُش سویرے سویرے ہوئے چمکیے فوراً شعارِ میرے

خصوصاً یہ مصرعہ کہ وردِ زباں ہے

سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے!



بند رابن کی ایک صُبح

آتار عیاں ہوئے سحر کے سااں ہونے لگے سفر کے

ایل چل میں ہے کاروانِ انجم مغرب کو چلا نشانِ انجم

وہ شب کا سیاہ شامیانہ اب لے کے قہر ہٹا روانہ
تارے سب ایک ایک کر کے آگے پیچھے چلے قہر کے!
مشرق میں ہے نور ہلکا ہلکا

طلعت کا ظہور ہلکا ہلکا!

عُصْبِ خنداں عروسِ تازہ آئی کل کر شفق کا غارِ زہ
آئی اور کس ادا سے آئی شانوں پر کا کلیں طلائی
چہرہ اُس کا وہ، یعنی خورشید بے پردہ، عدوِ حسرت وید
ہر چیز کو پر تو سحر ہے قدرت نے رنگا ہے رنگِ زر سے

جہنا ابھی خواب سے اُٹھی ہے

پیدا ابشرے سے تازگی ہے

کرنیں جہنا سے کھیلتی ہیں ظلمت کو پرے دھکیلتی ہیں
ہے محوِ خرامِ نازِ جہنا! عشاق کی دلنواز جہنا!

ساحل پر دوب، دوب پر اوس محفل تو ہے دوب اور گہراوس

جمن کا لباس محفل ہے اور موتیوں سے لدی ہوئی ہے

جنگل کے وہ پھول آہ! خود رو

بھینی بھینی وہ اُن کی خوشبو

دھیمے دھیمے صبا کے جھونکے اندازِ خرام وہ گلوں کے

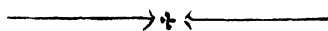
طاوڑ ہرمتِ نغمہ زن ہیں یہ مطربِ محفلِ جمن ہیں

ہر چند ہے ولیِ زیرِ جمن کب دل کو مگر یہاں ہے تھمنا

جمن سے نہیں ہے کامِ ہم کو ہے ذوقِ لقائے شامِ ہم کو

مل جائے ہمیں کہیں کنھیا

آرامِ دل حزیں کنھیا!



بانسری کی گولک

لعل معجز نما سے بنی
 پیدا ہوا اک نفس سے اعجاز
 ہر ایک ترانہ دلربا سے
 عالم طاری ہے بے خودی کا
 طائر اشجار پر ہیں خاموش
 مرغِ تصویر پرندہ
 سکتے ہیں کھڑے ہوئے ہیں آہو
 دُم نا چنے کو ہوئی چنور ہے
 اک جذبہ بے خودی میں آکے
 اے لوبا وہ شام نے لگا دی
 اب اس سے زیادہ کونسا ساز؟
 جنگل نعموں سے گونج اٹھا ہے
 نعم ساری ہے بانسری کا
 محو لذاتِ جنتِ گوشت
 پاؤں زنجیر ہر چرندہ
 گویا کوئی کر گیا ہے جادو
 پر اپنے سے مور بے خبر ہے
 لہراتے ہیں سائپ پھن اٹھا کے

مسحور ہر ایک جانور ہے چیتا یا شیر یا گدھا ہے
 جنگل کی ہر ایک بھینس گائے سکتے ہیں ہے اپنا منہ اٹھائے
 جب وحشیوں کا ہوا ہے یہ طور

حالت انساں کی کیوں نہ ہو اور!

گاؤں سا راگوالیوں کا ہے محسوس اب کچھ ایسا
 گویا آباد ہی نہیں ہے خالی انساں سے یہ زمیں ہے
 بیکار ہیں، جو ابھی تھے مشغول کس شغل میں تھے؟ یہ سب گئے بھول
 کھیتوں میں جو ہل چلا رہے تھے اور ساتھ ہی گنگنا رہے تھے
 چپ چاپ اب کھڑے ہوئے ہیں گویا کہ وہیں گرے ہوئے ہیں
 نچے گلیوں میں گھر کے اندر ہیں ناچتے بانسری کی لے پر
 سب عورتیں، مائیں، بیویاں سب خاموش ہیں، نفیس جہاں جہاں سب
 ڈالا ہے وہ زیر و بم نے پھنڈا چھوڑے بیٹھی ہیں گھر کا دھندا

جو بن جن پر شباب کا ہے یہ نعمہ انہیں تو فتنہ زاہ ہے
 دل کو ہے یہ بے قرار کرتا آنکھوں کو ہے اشکبار کرتا
 رہ رہ کے ہے دل میں درد اٹھاتا دل کو ہاتھوں سے ہے اڑاتا
 تھامے ہوئے ہیں جگہ کو دل کو سُنتی ہیں نوائے متصل کو
 جو واقفِ راز معرفت ہیں شنوئہ ساز معرفت ہیں

یہ بنسی انہیں بھی ہے رُلا تی

پیغام ہے دوست کا سُنائی!



صبح کے ستارے

صورتِ رہر و سحر تیار میہاں کوئی دم کی ہے شب تیار
 سُوئے مشرق ہے جلوۂ انوار کہ نمایاں ہیں صبح کے آثار

اوس تاروں پہ پڑنے والی ہے

اب یہ محفل اُجڑنے والی ہے!

نُور کے سحر میں ہے طغیانی ہوئے تارے غریقِ حیرانی

اب کہاں رونقِ درختانی آہ! سر سے گزر گیا پانی!

تابِ طوفانِ نُور لانا سکے

رہ نکل بھاگنے کی پانہ سکے!

اس طرح آتے ہیں نظر بے نُور جیسے دھندلا کوئی چراغِ ہو دُور

یا کوئی جیسے خوشہ انگور سُوکھ کر تاک سے گرے مجبور

یا ہوں جیسے فسردہ اور ملول

آخرِ موسمِ بہار کے پھول!

جس طرح یا طفیلِ سوز و گداز کہ ہے دستورِ طالعِ ناساز

اشکِ بیمارِ سالہائے دراز کھوپچکے آبِ و تاب کے انداز

نظر آتے ہیں یونہی بے روق

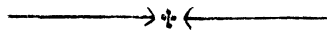
مُنّہ ہے شمعِ سحر کی صورتِ فق

ماہِ دلگیر اُداس تارے ہیں چشمِ کیس ہیں نہ وہ اشارے ہیں

گویا نہ جھننے کو یہ شرارے ہیں پھر بھی دلکش ہیں پیارے پیارے ہیں

اُترے چہرے ہیں مہِ مبینوں کے

رُخِ پڑمردہ ہیں حسینوں کے!



نمودِ شام

زنگِ عشرت کا اہتمام ہوا دامنِ چرخِ لالہ فام ہوا

دورِ خورشید کا تمام ہوا وقتِ بزمِ سکوتِ شام ہوا

سایہ کوہِ سرفراز بڑھا

صورتِ گیسوئے دراز بڑھا!

آخری شور ہے سراسر اشجارِ سخت گھبرائے پھرتے ہیں پروار

اب کہاں نغمہ مسترت بارِ بدعا سی کے ان میں ہیں آثار

جس طرح کوئی کاروانِ عظیم

کو بچ کرنے لگے بحالتِ بیم!

وقت ہے اپنے گھر کو جانے کا دل نے پوچھا پتہ ٹھکانے کا

ہوشِ پینے کا ہے نہ کھانے کا لے اُڑا شوقِ آشیانے کا

باغِ اک محفلِ خموش ہوا

دور ہنگامہ خروش ہوا!

یوں ہیں استادہ سرو اور چنارِ جس طرح مستعد ہوں پریدار

دھیما دھیما ترنم انسا ہلکا ہلکا سانج رہا ہے ستار

ایک گوشے میں لالہ دل سوز
یک بہ یک ہو گیا چراغ افروز!

آفت آئی مریض ہجراں پر حسرت افزا ہے شام کا منظر
ہنستے روتے گیا ہے دن تو گزر رہو ظلمات ہوگی طے کیونکر؟

رات بھر بے قراریاں ہوں گی
اور اختہ شماریاں ہوں گی!



شفقِ شام

جوشِ گل دامنِ فلک پر ہے اڑ رہی یا شرابِ احمر ہے
دہا کیا ولفریب منظر ہے شفقِ شام جلوہ گستر ہے

یا اڑاتا ہے چرخِ شبدہ کا

باغنائے زمیں سے رنگِ بہار

یہ نمائش ہے لالہ زاروں کی یا کہ بستی ہے شعلہ کاروں کی

بزمِ بے کوئی گلزاروں کی انجمنِ یا ہے فہرستوں کی

کسی قاتل کا ہے یہ دامنِ سُرخ؟

کسی بھل کا یا ہے مدفنِ سُرخ؟

دیدنی ہے منظرِ رنگیں دلربائی میں دلبرِ رنگیں

شاہِ شامِ پیکرِ رنگیں زیرِ دامانِ چادرِ رنگیں

دشمنِ ہوش ہے یہ رنگینی

گو نہیں رنگِ مے یہ رنگینی

قدسیوں نے رچائی ہے ہولی رنگِ اڑاتا ہے آئی ہے ہولی

آسمان نے چھائی ہے ہولی واہ! کیا رنگ لائی ہے ہولی

یہ سن اور یہ قبائے رنگ آلود

مسخرابن گیا ہے سپرِ کبود

آتشِ گل ہو لاکھ جلوہ فگن یہ بھڑک کب دکھائے گلشن

نظر آتا ہے جلوہ گلخن لمبی چوڑی ہے اک چتا روشن

صورتِ پدمنی کوئی اس پر

شان جو ہر دکھاتی ہے حل کر

— — — — —

فصلِ خزاں

گر می کا ہوا جو سرد بازار ایامِ خزاں ہوئے نمودار

اشجار کھڑے ہیں مثلِ بیمار ہر برگِ شجر ہے زردِ خسار

نقی و صُپ جو گرمیوں میں کھائی

تاثير ہے اُس نے اب دکھائی!

اُگل ہے نہ کہیں، کوئی شجر ہے بے رونقی برگ و شاخ پر ہے

آلودہ خاک ہر شجر ہے رنگ چمن جہاں دگر ہے!

حسرت کی ہے چھارہی گھٹاسی

ہر صُپے برس رہی اُداسی!

بے نطف فوائے طاثران ہے وہ جوشِشِ نعمہ اب کہاں ہے

جولے ہے وہ صورتِ فغاں ہے اظہارِ شکایتِ خزاں ہے

اب گرم نہیں لُج جگہ میں

آمدِ سرا کی ہے نظر میں!

بادل کی کہیں کہیں یہ جالی ہے مثلِ غبارِ مینہ سے خالی

ہر برگ ہو گو کُفِ سوالی ہر گز یہ نہیں برسنے والی!

نغمیں اسے دیکھ کر ہے دل آور

برسات کا یاد آگیا دور!

چٹھ چٹھ کے اتر گئے ہیں دریا خالی ساحل ہے حسرت افزا

ٹوکھا سر کو ہمار سبزہ گرد آؤتی ہے درمیان صحرا

فطرت کے فسر وہ ہیں مناظر

کیونکہ ہوشگفتہ طبع شاعر!



خصتِ سرا

ہیں نکلتی سرویوں کے وہ نظر فریب منظر

کہ پلٹتا مسرتا باں بھی سوئے شمال آیا

کبھی جاتی ہے نظریں، کہ ہے تازگی پہ نیچر
یہ بدل رہا ہے موسم، کہ پلٹ رہی ہے کایا

نظر آ گیا، کہ سرما کا شباب ڈھل چکا ہے
نظر آتی ورنہ برفِ سر کوہ کیوں پگھلتی
جو بٹھا ہوا تھا پانی وہ سرک کے بہ چلا ہے
جو ندی جہی ہوئی تھی وہ ذرا ذرا ہے چلتی!

نہ صبا میں ہے وہ خنکی، نہ نیم میں ہے ٹھنڈک
کہ دل و جگر کو لگتی ہے یہ خوشگوار ایسی
نہ وہ کٹر کڑا تا جاڑا، نہ وہ سرویاں ہیں بیشک
یہ بسنت کی ہوا ہے، یہ ہے رُت بہار ایسی!

نہ چمن کے رہنے دالوں کی وہ زرد دریاں ہیں
 کہ اُتر رہا ہے تن سے جو لباس تھا خزانہ
 نہ بدن کی لاغری ہے نہ وہ رُخ کی زردیاں ہیں
 کہ ہر اک شجر کا جوڑا نظر آ رہا ہے دھانی

کیس پھولتی ہے سروں کہیں پھوٹتا ہے سبز
 نیکی کو نیلیں نکلتی ہیں کہیں کسی شجر سے
 وہ کب آئیگا چمن میں مجھے جس کی ہے تنہا!
 کہیں کر رہی ہے بلبل یہ سوال برگ تر سے

مُحَلّ و غنچہ سے بھرے گا وہ چمن کے جیب ڈالماں
 اسی دیکھ بھال میں ہے ابھی باغبانِ قدس

پس پردہ ہو رہے ہیں جو بہار کے یہ سماں
دل و دین کو لوٹ لیگا وہ دکھا کے شانِ قدرت

نکل آئے فصلِ گل کے وہ طیور گھونسلوں سے
کوئی دن میں گونج اُٹھینگے بہار کے ترانے
چلی آئینگی مسرت کی صدائیں جنگلوں سے
کوئی شادیوں میں گاتا ہو خوشی کے جیسے گانے

گمراہ جس چمن کا میں ہوں عندلیبِ نالاں
ہوئیں بدتیں کہ اُس میں نہ کبھی بہار آئی
جو گریِ فلک سے شبنم رہی تا سحر وہ گریاں
جو صبا کہیں سے آئی تو لئے غبار آئی

نوائے بہار

خوشا بہار و خوشا فصل و لکٹائے بہار
 خوشا مناظرِ جان بخش و جانفراے بہار
 نہ زندہ کیوں ہو دل گشتہ اداے بہار
 دمِ سیح ہوئی جنبشِ ہواے بہار
 بہائے اشکِ مسرت نہ کیوں جب آئے بہار
 ہے چشمِ حُسنِ نگد عاشقِ اداے بہار
 ہر ایک گلِ شَرِ طور ہے جلوہ گری
 کہاں ہے آہِ مجھے تابِ جلوہ ہائے بہار
 اُترنے قافلہ درتِ قافلہ لگے ہیں پھول
 زمیں تمام ہوئی کارواںِ سرائے بہار

ہجوم گل سے زمیں پر جگہ نہیں باقی
 شفق کے پھول فلک پر نہ کیوں کھلائے بہار
 ظہورِ صبح ہے نورِ رخِ عروسِ چمن
 سوادِ شام ہے گیونے ٹٹکسائے بہار
 یہ گہنے پھولوں کے، اور یہ زمردیں پوشاک
 ہے برقِ خرمینِ دلِ حُسنِ فتنہ زائے بہار
 چمن پہ، دشت پہ، صحرا پہ، ایک جو بن ہے
 ہر اک فضا میں ہے نیرنگیِ فضا ئے بہار
 اُڑا رہے ہیں چمن میں بہار کے جلے
 طیورِ زمزمہ پرواز و خوشنوائے بہار

ترانہ ریز ہے محرومِ موسمِ گل میں
 کہ مثلِ بلبلِ گلشن ہے آشنا ئے بہار

نسیم بہار

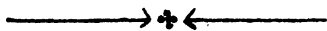
آسائشیں جگہ ہے نسیم بہار! تُو
 دلکش ہے، دلفریب ہے، اور خوشگوار تُو!
 عیسیٰ نفس ہے دہریں اسے تازہ کار تُو
 ہے باعثِ شگفتگی روزگار تُو!
 جاں تیرے دم سے تازہ ہے دل باغ باغ ہے
 اور بوئے خوشی سے تیری معطر دماغ ہے!
 تجھ سا ہے کون محرمِ خلوتِ سرائے گل
 کرتی ہے چمکے چمکے تو جذبِ ادائے گل
 جان بخش تجھ کو ہے نفسِ عطر سائے گل

لاتی چڑا چڑا کے ہے بوئے قبائے گل !
 تاثیرِ فیضِ صحبتِ گل اے نسیم ! ہے
 نگہِ ندیم ہے تری، ہمدِ شمیم ہے
 خوشبوِ سیٹِ سخنِ چین سے جو تو گئی
 بیخود اُسے بنا ہی گئی جس کو چھو گئی
 جب تو کسی قفسِ کبھی رو برو گئی
 بلبلِ تڑپ تڑپ گئی بے تاب ہو گئی
 تیرے نفس سے آتی جو بوئے قبائے گل
 بلبلِ غریب چیخِ اٹھی "ہائے ہائے گل !"
 تاروں کی چھاؤں میں جو آتی ہے باغ میں
 ٹنڈک سی ڈال دیتی ہے لالے کے داغ میں
 ثوبانِ سخنِ باغ کی بزمِ فراغ میں

بھرتی نئے نشاط ہے گل کے ایاغ میں
 تجھ کو سمجھ کے ساقی سحرِ اے نسیم!
 مستانہ جھوم جاتے ہیں اشجار، اے نسیم!
 گاتے ہیں طائرانِ چین تیرے ساز پر
 رقصاں ہے سبزہ جن کی نوا ہائے راز پر
 اور گوشِ گل ہے وا، ترے راز و نیاز پر
 زنگس کی چشکیں ہیں ادا ہائے ناز پر
 آکر طلسمِ خوابِ چین توڑتی ہے تُو!
 مہرِ سکوتِ صبر شکن توڑتی ہے تُو!
 نکلی چین سے سُنبل و ریاں کو چھیڑتی
 بالائے بامِ کاکلِ خواباں کو چھیڑتی
 بن میں چراغِ گورِ غریباں کو چھیڑتی

عاشق کے شعلہٴ دل سوزاں کو چھیڑتی
 رم کر کے دم زدن میں کہیں سے کہیں گئی
 بحر و جبل کو پھانسی گروزیں گئی!

جب پر تو سحر سے ہو روشن طبق طبق
 اور رنگ گل سے صحن گلستاں شفق شفق
 دفتر ہو عیش کا گل تر کا ورق ورق
 ہو بے حجابیوں سے تری گل عرق عرق
 تو کشتگان ہجر کو چھیڑے نہ اے نسیم!
 زخم کُن کے ننھے اُدھیڑے نہ اے نسیم!



فصل بہار

مردہ اسے دیدہ تماشا ثانی! حُسنِ فطرت سے وقفِ برنائی

صحنِ گلشن میں پھر نظر آئی غنچہ و گل کی محفل آرائی

پس کدِ ناز بڑھتا بڑھتا ہے

حُسن کیا کیا زمیں سے چھوٹا ہے!

نہیں نرگسِ نچراب کی مستی بلکہ ہے یہ شباب کی مستی

واہ بونے گلاب کی مستی ہے ہو امیں شراب کی مستی!

ذوقِ مستی کے اسے تمنائی!

بادِ نوشی ہے بادِ پیائی

خندہٴ صبح ہے بہارِ آمیز جلوۂ شام ہے نشاطِ انگیز

شب کو مہتاب ہے تہمتہم ریز جس سے بحر جنوں ہو طوفانِ خیر

اُف! یہ لیل و نہار کا عالم

اور اُس پر بہار کا عالم!

جوشِ گل سے جہاں ہوا رنگیں دامنِ چرخِ جا بجا رنگیں

دشت و صحرا کی ہے فضا رنگیں نغمہ مرغِ خوشنوا رنگیں

ہیں رنگ بہار کے جلوے

صنعتِ کروگار کے جلوے!

یہ دمِ صبحِ عطر بارِ نسیم نفسِ شاہدِ بہارِ نسیم

سحرِ پرور، نسوں شاعرِ نسیم گل و بلبل کی زارِ دارِ نسیم

اس سے ٹھنڈا جگر کسی کا ہے

اور دل آگ پر کسی کا ہے!

حُسنِ انسی فصل میں نکھرتا ہے عشقِ اسی دُور میں ابھرتا ہے

صورتِ گل کوئی ستوتا ہے پیرہن کوئی چاک کرتا ہے

کرہی دیتی ہے آہ بجے بہار

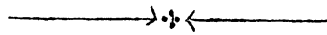
آرزو ہائے خفت کو بیدار!

آئینِ گل کا ہم کو کیا احساس دل ہو پہلو میں کب کشتہ یاس

یہ جو نالے ہیں زینتِ قسطاں ہے فقط اپنی شاعری کا پاس

ورنہ ہم کو خزاں بہار ہے ایک

برگِ گل اور نوکِ خار ہے ایک!



تصویرِ بہار

ساحلِ رودِ بارتک

دامنِ کوہِ سارِ تک!

دامنِ کوہِ سار سے

ساحلِ رودِ بار سے

مسند شاہد بہار تختہ سبزہ زار ہے!

شبیم تر سے کشت زار تخت گزر نگار ہے!

منظر جلوہ طرب راحت روزگار ہے!

روح نواز کس قدر نعمۂ آبتار ہے!

منظر صافِ سطحِ آب آئینہ بہار ہے!

دشت میں الغرض عیاں قدرت کردگار ہے!

دامن کو ہزار سے ساحلِ رودبار تک

ساحلِ رودبار سے دامن کو ہزار تک!

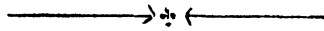
شاخ بہ شاخِ سوبہ شو نعمۂ سسرا طبور ہیں!

گرم ہے محلِ نشاط بادہ کشِ سرور ہیں!

جو متے ہیں شجرِ تمام مست نشے میں چڑ ہیں!

رقصِ شعاعِ مہر کے جلوے قریبِ دُور ہیں!

ذرے تمام خاک کے رُکشِ کوہِ طور ہیں!
 قدرتِ صانعِ ازل سب یہ ترے ظہور ہیں!
 دامنِ کوہسار سے ساحلِ رودِ باز تک
 ساحلِ رودِ باز سے دامنِ کوہسار تک!



ابرِ بزار

ابرِ نیاں ہے سحابِ فیض کھلاتا ہے تو
 مستِ صہبائے گرم ہے جھومتا آتا ہے تو
 خوشنما دوشِ ہوا پر ہے ترا تختِ رواں
 اُس کی کیا تو صیفِ ہو جس شان سے آتا ہے تو

جب زمین خشک پھیلاتی ہے دامانِ سوال
 رحمتِ باری کے موتی اس پہ برساتا ہے تُو
 ہوتی ہیں جب وقفِ عریانی عروسانِ چمن
 خوب صورت سبز چڑے اُن کو پہناتا ہے تُو
 بے بسی میں اٹھتے ہیں شاخوں کے جبستِ تما
 و تگیاں اُن بے کسوں کا بن کے آجاتا ہے تُو
 کہہ ہی دیتا ہے تجھے درواختِ اشکِ با
 ساحلِ دریا کو جب تفسیدِ لب پاتا ہے تُو
 تازگی پاتے ہیں تیرے نام سے اہلِ زمین
 آسمانوں سے پیامِ زندگی لاتا ہے تُو
 رونقِ گلزارِ ہستی کو بڑھانے کے لئے
 باغ میں پھولوں کے میلے آگے لگواتا ہے تُو

گلِ بداماں ایک چھینٹے سے ہوئے دشتِ جبل
 آسماں سے حُسنِ برساتا ہوا آتا ہے تو
 آہ! مشتاقِ تیرم کس قدر ہے یہ نرا
 سبزِ خوابیدہ چونک اٹھتا ہے جب گاتا ہے تو
 جلوہٴ رخسارِ گل کو آتشیں کرتا ہوا
 آتشِ الفتِ دلِ بلبل میں بھڑکتا ہے تو
 عارضِ خواباں میں رنگِ روئے گل بھرتا ہوا
 مثلِ بلبلِ عاشقوں کے دل کو تڑپاتا ہے۔
 یاد آجاتے ہیں وہ دن جو نہ آئیں گے کبھی،
 نالہ کش محروم ہو جاتا ہے جب آتا ہے تو!



بادِ بہاری چلی

(۱)

گلشنِ آفاق میں پھول کھلاتی ہوئی

ناچتی گاتی ہوئی

جلوۂ فرودس کا رنگ جاتی ہوئی

عطر اُڑاتی ہوئی

بادِ بہاری چلی !

(۲)

سبزہ و گلزار کو کرتی ہوئی شاد کام

بھرتی مہر کے جام

دہر کو دیتی ہوئی دُورِ طرب کا پیام
ہنستی ہنسائی ہوئی
بادِ بہاری چلی !

(۳)

غُنچے جوں بستان تھے اُن کو ہنسائی ہوئی
پھول کھلاتی ہوئی !
سبزہ جو خوابیدہ تھا اُس کو جگاتی ہوئی
شور مچاتی ہوئی
بادِ بہاری چلی !

(۴)

دُورِ رستاں میں تھے دُلہے جن کے غموش
اب ہیں وہ محوِ غموش

زفر نہ پیرائی کا بھرتی ہوئی ان چینش

وجد میں لاتی ہوئی

باد بہاری چلی !

(۵)

صحنِ چین سے چلی چھڑتی اشجار کو

برگ و گل و خار کو !

وصل کے ایام کا مہبِ لبِ بیمار کو

مژدہ سناتی ہوئی

باد بہاری چلی !

(۶)

رنگ بدلتی ہوئی حُسنِ فوں بار کے

عشوۂ دلدار کے

دُھنگ بدلتی ہوئی عشق جنوں کا رکے

جوش بڑھاتی ہوئی

بادِ بہاری چلی !

(۷)

اگلی بہاروں کے ن یاد دلاتی ہوئی

صبر اڑاتی ہوئی

پھر دلِ نسرودہ میں آگ لگاتی ہوئی

دُروا اٹھاتی ہوئی

بادِ بہاری چلی !

(۸)

خاطرِ محسوسہ دم کو دیتی ہوئی اضطراب

کشمکش و پیچ و تاب

صبر کو آرام کو کرتی ہوئی قفِ خواب
 زفتے اٹھاتی ہوئی
 بادِ بہاری چلی!



ترانہ بسنت

نمبر ۱

سردی گئی بسنت کے ایام آگئے
 طائرِ نویدِ فصلِ بہاراں سنا گئے
 ظاہر ہوئے وہ پیشِ رواں جاؤس گل
 سروں کے زرد پھول نگاہوں کو بھاگئے

چٹھے سرک کے دامن کسار سے چلے
 مشقِ خرامِ ناز کے پھر دور آ گئے!
 کیفیتیں کچھ اور ہیں لیل و نہار کی
 جن میں فسردگی تھی وہ صبح و مسا گئے
 چمنِ صحن میں سبزِ خوابیدہ جاگ اٹھا
 انوارِ صبح موسمِ دلکش جگا گئے
 اشجارِ جی اٹھے ہیں، کہ جھونکے نیم کے
 اعجازِ عیسوی کے کرشمے دکھا گئے
 سمرام کے جوڑے جو تھے منتارِ زیر پر
 اب اُن کے نغمے تا سرفوقِ سما گئے
 عالم نہ پوچھ چاندنی راتوں کے طُف کا
 یہ جلو سے پچلیاں دل و دیں پر گرا گئے!

کیا ہے کلور کوٹ میں محروم لطفِ زیت
صحرا میں دن بہار کے کیا آئے کیا گئے!



تراۓ بسنت

نمبر ۲

(۱)

پھر گلشنِ عالم میں

پیغامِ بسنت آیا!

پھر گونجتے ہیں نغمے / مسرور فضاؤں میں

اک کیف کا عالم ہے / صحرا کی ہواؤں میں

رعنائیئے دلکش ہے پھولوں کی اداؤں میں
 بیتابیِ الفت ہے بلبل کی نواؤں میں
 بلبل کی نواؤں نے
 ہر فردے کو تڑپایا!

(۲)

رخصت ہوئی دنیا سے

افسردگی سرا!

پھرتازگی و تیزی سورج کی چمک میں ہے
 اک شانِ دل آویزی شبنم کی دمک میں ہے
 پھر دلولہ انگیزی پھولوں کی ہمک میں ہے
 اندازِ جنوں خیزی بلبل کی چمک میں ہے

پھر گلشنِ عالم میں
ہنگامہ ہوا برپا !

(۳)

ہنگامہ ہوا برپا !

فطرت میں مچی ہل چل !

تینچ بستہ جو دریا تھے پھر ہو گئے وہ جاری

پھر سبزہ خوابیدہ ہے مائل بیداری

پھولی ہوئی سرسوں سے کھیتوں میں ہے زرکاری

شبِ نیم کی گمراہ پاشی سورج کی ضیا باری

ہر شاخ چمن رقصاں

ہر برگِ شجر بے کل !

پھر سنت آیا

صبا نے مژدہ سنایا کہ پھر سنت آیا
 گلوں نے جلوہ دکھایا کہ پھر سنت آیا
 کلی کلی نے چمک کر خوش آمدید کہا
 یہ کس نے اُن کو بتایا کہ پھر سنت آیا
 طیور زمزمہ پرداز نے برنگِ دگر
 چمن میں جشن منایا کہ پھر سنت آیا
 نکھرتا جاتا ہے پھر حُسنِ ثناء پر فطرت
 پلنتی جاتی ہے کایا کہ پھر سنت آیا

چمن کو دادی و صحر کو دست قدرت نے
 بہ ذوق و شوق سجا یا کہ پھر بسنت آیا
 سحاب فیض نے سبزے کی نرم اطلس کا
 زمیں پہ فرش بچھایا کہ پھر بسنت آیا
 پلٹ کے تیرا عظم سوئے شمال آیا
 سہ ٹ کے رہ گیا سایا کہ پھر بسنت آیا
 زمیں نے سرسوں جمائی ہے کیا ہتیلی پر
 کرشمہ خوب دکھایا کہ پھر بسنت آیا
 رہا فسردہ و پژمرده کیوں دل محسوس
 اُسے یقین نہ آیا کہ پھر بسنت آیا !

پنجاب کے میدان

کس قدر ہے آہ! ادا منگیرِ دل تیری زمیں
 وکشتی پنجاب! کتنی تیرے میدانوں میں ہے
 تیری وسعت میں ہوئی گم رفعتِ چرخِ بریں
 ایک ایوانِ فلک بھی تیرے ایوانوں میں ہے!

موت تک آتی نظر ہیں اہلِ ماتی کھیتیاں
 سامنے جن کے نخل ہے کشتِ خضرائے فلک!
 اور چاندی کی چمک والی تیر سی ندیاں
 کہکشاں ایسی اگر رکھتا ہے دکھلائے فلک!

دیدہ و دل جس سے روشن آریاؤں کے ہوئے
 آج بھی تیری فضاؤں میں جھلکتا ہے وہ نور
 نعمۂ مستانہ توحید کی تاثیر سے
 آج بھی تیری ہواؤں سے ٹپکتا ہے سرور

عاشقی پرور سماں تیری چراگا ہوں میں ہے
 یاد جس سے تازہ ہے راجھے کی اور مہینوال کی
 اور غباریں سا جو منظروشت کی راہوں میں ہے
 خاک اُڑتی ہے یہ عشاق پریشاں حال کی

دل تڑپ اُٹھتا ہے پہلو میں یکا یک جب کہیں
 بانسری کی کوک اُٹھتی ہے سکوتِ شام میں

ماثلِ فریاد ہوتا ہے دل اندوہ گیس
اور دل سے ہوک اٹھتی ہے سکوتِ شام میں!

کچھ خیاباں بہرِ گلگشت بُتانِ نازیں
کچھ بیاباں دشتِ پیایانِ وحشت کے لئے
بلبلِ دگل کی ہے خلوت گاہِ تیری گلِ زمیں
ہزیمِ زیبا اختلاطِ حُسن و اُلفت کے لئے

حُسن و اُلفت ہی نہیں ہے تیری شانِ امتیاز
کو نہ امیدِ اتر ہے جو نہیں میدانِ جنگ
جذبہِ حُبِ وطن پر خاک کو تیری ہے ناز
سورِ ماؤں کے لہو سے آج تک ہے لالہ رنگ

شملہ

رشکِ فردوس ہے محرومِ فضا شملہ کی
 نفسِ حور سے بڑھ کر ہے ہوا شملہ کی!
 چہرہ شاہدِ فطرت نہیں مستور یہاں
 نہیں اسے ذوقِ نظرِ پدے کا دستور یہاں
 راجہ اندر کا اکھاڑہ ہے یہ کسار نہیں
 سبز پریوں کے ہیں انبوه، یہ اشجار نہیں
 اس کی رفعت کا بھلا کس سے ہو اندازہ ٹھیک
 ہوں گی جنت کی فضا میں کہیں اس کے نزدیک
 زنگہ شوقِ جدھر اٹھ کے چلی جاتی ہے
 مٹلی فرشِ بچھا زیرِ قدم پاتی ہے

کیا خبر کیسا ہونیسہ رنگ تماشا تھے بہار
 کہ خزاں میں ہے یہاں منظرِ زیبائے بہار
 چشمِ مشتاق کو سامانِ تماشا ہیں بہم
 شجر و سبزہ و گل انجمنِ آرا ہیں بہم
 بے تکلف ہے یہاں عشوۂ عریانِ بہار
 خلوتِ ناز ہے یہ بزمِ عروسانِ بہار
 حیرت افزا ہیں بہت چیل کے اشجارِ بلند
 اُن کی توصیف کو درکار ہیں افکارِ بلند
 کوئی دیکھے تو ذرا ان کی فلکِ فرسائی
 بے ستوں کب ہے یہ یقینِ فلکِ بینائی
 تازگیِ جلوۂ انوارِ سخن میں ہے یہاں
 طفلِ معصوم اُٹھے خواب سے جیسے خداں !

منظرِ شامِ نیا لطف دکھا دیتا ہے
 سایہ زلفِ حیناں کا پتا دیتا ہے!
 تنقے دامنِ کُساہ سے تا دامنِ بحرِ خ
 جن کی طلعت سے ہے مَنوَنِ ضیا دامنِ حیرِ خ
 نظر آتے ہیں ستاروں سے زیادہ روشن
 روبرو ان کے ستارے ہیں وِٹے بے روغن
 سامنے ان کے نہ کیوں مائد ہوں سارے تارے
 ٹکڑے بجلی کے ہیں یہ اور وہ بچا رہے تارے
 جس طرف دیکھئے اک نورِ نظر آتا ہے
 جو شجر ہے شجرِ طورِ نظر آتا ہے!
 سبق آموز ہے کیا خوب یہاں کی بستی
 ہر بلند ی کی بغل میں ہے برابرِ بستی

دھو چھائوں کے مناظر بھی غضب ڈھاتے ہیں
 رنگ نیرنگی دوراں کا دکھا جاتے ہیں!
 سایہ ابر کہیں جلوہ خورشید کہیں
 عالم یاس کہیں پر تو اُمید کہیں!
 سایہ و نور کا باہم یہ بدل کر چلنا
 یاس و اُمید کے جادو کا ہے یکسر چلنا
 پھر کبھی شملے کی تعریف میں لکھتیں گے کچھ اور
 اب تو بدلا ہے خیالات نے پہلو بے طور!

امامین
کے
سیدین

عزمِ صحر

یعنی

شریٰ امجد جی کی بن کو تیار مٹی اہلِ احو و ہیا کی بہ قراری

رخصتِ احو و ہیا سے وہ جانِ جہاں ہوا

یا انفاسِ تفرقہ جسم و جاں ہوا

پہلو سے دل گیا کہ چلا رام شہر سے

بھاگنے نکل کے راحت و آرام شہر سے

گویا ہمارے چھوڑ کے صحن چمن چلی !
 پر وہ بھی اس طرح نہ کبھی دفستے چلی !
 آنکھوں سے چہرہ رام کا جب دُور ہو گیا
 بلکہ تمام دیدہ بے فُور ہو گیا !
 غم کا غبار لے کے جو آہِ رسا گئی
 کالی گھٹاسی چرخ پہ گھٹگور چھا گئی !
 آہوں میں جو شرارِ دلوں سے نکل گئے
 وہ آسمان پہ برق بنے اور محپل گئے
 عالم وہ بجلیوں پہ غضبِ اضطراب کا
 ہائے وہ جوشِ گریہِ پیہمِ سحاب کا
 انسان تو خیرِ صدمہ غم سے نڈھال تھے
 وحش و طیور تک بھی اسیرِ ملال تھے

بیگانہ طرزِ رقص سے باغوں میں مور تھے
 غم سے پروں میں گردنیں ڈالے چکورتھے
 رگھبر چلے کہ شہرِ خموشاں اودھ ہوا
 آباد دشت ہو گیا، ویراں اودھ ہوا!
 صحرا کو رام و لچھمن دیتا جو چل پڑے
 بیتاب ہو کے لوگ گھروں سے نکل پڑے
 زار و قطار روتے ہوئے بے قرار سب
 تھے پیچھے پیچھے رام کے باحالِ ارباب
 ہر اہل شہر خستہ و زار و نثرند تھا
 ہر گھر سے شورِ نالہ و شیون بلند تھا
 تھا روگردن تھکے وہ خلقت کا اژدہام
 گھوڑوں کو گام گام پہ لیتے تھے تھام تھام

کہتے تھے ”مرہی جائیں گے اے پران ناتھ ہم
ہم کو نہ چھوڑ جائیے۔ جائیں گے ساتھ ہم“

یہ حال دیکھ کر وہ عزیزِ دل انا م
گویا ہوا کہ اہلِ اجودھیا سُنو تمام
جاتا ہوں بن کوئیں کہ یہ فرماں ہے باپ کا
پہنچانے آپ آئے ہیں احساں ہو آپ کا
بہلاؤ جا کے دل شہِ پیسہ سال کا
کم تا کہ اُن کے دل پہ ہو صدمہ ملال کا
تشویش کیا تھیں کہ بھرت تاجدار ہے
عالم ہے، رحمِ دل ہے، صداقت شعار ہے

ہے تم پہ فرض اُس کی اطاعت بجان و دل
کہتا ہے جب وہ تم سے محبت بجان و دل

ہوگی اُسے تمہاری اطاعت سے تقویت
 پاتے ہیں شہریار رعیت سے تقویت
 پر ماتا کے شکر کرو شاد ماں رہو!
 سرزیر منت شہر امن و اماں رہو!
 اور میری واپسی کا جو تم کو خیال ہے
 یہ ہے خیالِ خام! یہ امرِ محال ہے
 یہ کہہ کے سارہفتی سے اشارہ کیا کہ ”ہاں
 لگتی ہے دل پہ چوٹ سی سُن سُن کے زاریاں
 بہتر ہے اس ہجوم سے رتھ کو نکال کے
 گرم سفر ہو دشت کے رستے پہ ڈال کے“
 چلنے سے رتھ کے اور قیامت بپا ہوئی
 یعنی بلند شور و آہ و بکا ہوئی

رکھے ہوئے جگر پہ، کیجیے پہ ہاتھ سب
 روتے ہوئے روانہ ہوئے رتھ کیسا تھ سب
 جو تھے جواں وہ گھیر کے رتھ کو دواں ہوئے
 جو ناتواں ضعیف تھے پیچھے رواں ہوئے
 کہتے تھے کہ اتنے تو ہم سے خفا ہو رام
 صحرا نور و صورتِ موجِ صبا ہو رام!
 یوں تیز تیز کس لئے رتھ کو اڑا چلے
 بوڑھوں کو گرو راہ میں رگھبر! ملا چلے
 لیکن رہے خیال کہ مڑنے کے ہم نہیں
 یہ زیت ہم کو موت سے لے رام کم نہیں

ہم سر کے بل چلیں گے اگر پاؤں ٹوٹ جائیں
 بل جائے کاش موت اگر تجھ سے چھوٹ جائیں
 حیرت ہے! آج فصلِ دہن کھولتے نہیں
 مگر سکوت لب پہ ہے کچھ بولتے نہیں
 سنّتے نہیں ہو آج برہمن کی التماس
 تکیہ کا خیال کدھر ہے؟ کہاں ہے پاس؟
 اے رام! کیا ہوئیں وہ ترے دل کی نرمیاں
 کیوں سرو پڑ گئیں وہ محبت کی گرمیاں؟
 بیٹھے تھے ہم توجشن کا ساماں کئے ہوئے
 جاتے ہیں آپ عزمِ بیاہاں کئے ہوئے
 واپس اودھ کو جائیں تو کس مُنہ سے جائیں ہم!
 اپنا اودھ وہی ہے جہاں تجھ کو پائیں ہم!

دُہ پھول تُو ہے جس کی پھین سے سماں رہا
 لطف بہارِ شامِ اودھ اب کہاں رہا !
 جگلِ اجدھیا ہے تو صبا دیکھتی !
 کچھ بے طرح ہے مائلِ بیدار دیکھتی !
 یہ آگ سب اُسی کی لگائی ہوئی تو ہے
 خلقت تمام اُسی کی ستائی ہوئی تو ہے !
 جس رتھ کا حال غیر، کوشلیا کا حال غیر
 تیرے بغیر ساری اجدھیا کا حال غیر !
 یوں گرتے اُٹھتے بیٹھتے روتے ہوئے تمام
 سامی رہے غریب پئے واپسی رام !
 ہر چند اپنے جی کو کیا رام نے کڑا
 لیکن وہ تھا ہجوم کہ رتھ روکنا پڑا

ٹھہرا جو رتھ تو دل میں وہ سب بھوکے شاد شاد
 کہنے لگے کہ دل کی بر آئی ہے اب مُراد
 رتھ سے اتر کے رام جو پیدل رواں ہوئے
 پھر لوگ مجھ گریہ و آہ و فغاں ہوئے
 دورِ افق پہ گرنے لگے پردہ ہائے شام
 تمساندی پہ رام نے آکر کیا قیام
 سب کو سلا کے سو گئے ساحل پہ آپ بھی
 سوتے ہوئے رہائی کی تجویز سوچ لی
 اہل اجدھیا تھکے ماندے تھے سو گئے
 قدموں میں آ کے رام کے بے فکر ہو گئے
 از بس کہ دوڑ دھوپ سے دن بھر کی چور تھے
 سونا ضرور تھا انہیں، غافل ضرور تھے!

رگھو بہت سی رات رہے اٹھ کھڑے ہوئے
 جس وقت اہل شہر تھے غافل پڑے ہوئے
 ناہی ہوئے وہ لے کے اجازت سومنت سے
 اور ساتھ ہی کہا یہ بنت سومنت سے
 لے جاؤرتھ اودھ کو مگر ہیر پھیر سے
 "تا اہل شہر کو نہ مرا کچھ پتا چلے"
 پو پھٹے پھٹے تینوں وہ دریا کے پار تھے
 تلوے تھے آہ پھول سے اور خارزار تھے!



ویران کُٹیا

مایا کا ہرن مار کے جب رام اچھڑ آیا
 کٹیا میں نہ سیتا کا نشان تک نظر آیا
 باہر بہ دلِ خوئے شدہ و چشم تر آیا
 ہر اشک لئے حالتِ دل کی نجر آیا
 نظروں سے وہ خورشید سا چہرہ جو نہاں تھا
 آنکھیں جدھر اٹھتیں، شبِ تیرہ کا سماں تھا
 جی تھام کے، باہر درو دیوار کے ڈھونڈا
 اور دونوں طرف پہلوئے کُسار کے ڈھونڈا

اُس گل کو ہر اک برگ میں گلزار کے ڈھونڈا
 ہر ڈال میں، ہر پات میں اشجار کے ڈھونڈا
 اُس سرور وصال نے جو کہیں سر نہ نکالا
 حسرت سے گڑا خاک میں بس ڈھونڈنے والا
 اُمید کا اب دل کو سارا نہیں باقی
 اور سحر کا، تدبیر کا یا را نہیں باقی
 دل بیٹھ گیا، کوئی اُجھارا نہیں باقی
 آنکھوں کے لئے ذوقِ نظار نہیں باقی
 لچھمن سے کہا بھائی! مصیبت یہ کڑی ہے
 حیرت میں ہوں کیوں جانِ حزیں لب پہ اڑی ہے
 سیاہ - کسار میں وہ آئینہ سیاہ نہیں ملتا
 صحرا میں کہیں نقشِ کفِ پا نہیں ملتا

گلزار میں اپنا گلِ رعنا نہیں ملتا
 ویریا میں بھی وہ گھسہ بکھتا نہیں ملتا
 پہلے ہی تھا ویرا نے میں کا شانہ ہمارا
 اب آؤر بھی ویراں ہوا ویرا نہ ہمارا
 کُلیا تھی اگر جسم تو جاں اُس میں تھی سیتا
 رہتی صفتِ روحِ رواں اُس میں تھی سیتا
 ہر شام و سحر جاوہِ فشاں اُس میں تھی سیتا
 جب میں ہوا صحرا کو رواں اُس میں تھی سیتا
 مقدور پہاں کس کا، زمیں کھا گئی اُس کو
 یا تیری نظر، چرخِ بریں! کھا گئی اُس کو
 اشجار مجھے اُس کا پتا کیوں نہیں دیتے
 پتوں کی زباں ہے تو صد کیوں نہیں جیتے

مرغان ہوا ماتم ہی بت کیوں نہیں دیتے
 سینتا پہ جو گزری ہے سنا کیوں نہیں دیتے
 بھرتا نہیں دم کوئی بھی فسر یا د رسی کا
 سچ ہے کہ نہیں کوئی مصیبت میں کسی کا !
 سنبل سے جو قدرت نے لئے گیوئے سینتا
 پھولوں سے لیا روغن و رنگِ روئے سینتا
 قوسِ قزح چرخ سے تھے ابروئے سینتا
 غنچوں سے دہنِ انگشتِ گل سے بوئے سینتا
 اور نرگس پر سحر اڑائی تھی ہرن سے
 لبِ لعل سے اور وائنت لئے دُرِّ عدن سے
 صنعتِ گریبچوں نے سراپا یہ بنایا
 چُن چُن کے ہر اک عنصرِ چیدہ کو کھپایا

وہ پیکرِ دلکش مری آنکھوں میں سمایا
 لیکن مرے برگشتہ مقدر کو نہ بجایا
 مجموعہ خوبی کو پریشان کیا آخر
 غربت میں مجھے کشتہ حرماں کیا آخر
 واپس دئے اجزائے رخ و زلف چمن کو
 قدسِ رو کو۔ خوشبر ملی ریحانِ دامن کو
 لبِ سوتے بدخشاں گئے اور دانتِ عدن کو
 پھر دیدہ سیتا کا ملا سحرِ ہرن کو
 یوں دھرم و برہم ہوئی وہ ناز کی پیتلی،
 بن آئے گی پھر کس سے اس انداز کی پیتلی!

سینا جی کی فیر یاد

تیرے ترکش میں ابھی تک اوکا نڈا رقصا !
 ریترباتی تھکا کوئی مجھ پر چلانے کے لئے؟
 کم تھی وہ صحرا نور دی؟ کم تھے وہ راون کے جُور؟
 آہ! یہ آیام بھی باقی تھے آنے کے لئے؟
 وہ زمان جاہنگزاجب ہر گل باغ اشوک
 شعلہ ناریعقوبت تھا جلانے کے لئے
 آہ! تھے اس قید میں سماں جہنم کے تمام
 نئی مگر اُمید دل کو گدگد آنے کے لئے

روکنا جاں کو نکلنے سے کہ آئیں گے ضرور
 دل سے یوں کہنا کہ ہیں تیار آنے کے لئے
 ہائے! میں مجبور اب کس پر رکھوں چشمِ اُمید
 جب ہوئے آمادہ وہ آنکھیں چُرانے کے لئے
 آنسوؤں کے نیر کیوں جاری ہیں لچھمن سچ بتا
 تو تو کتنا تھا "چلو گنگا نہانے کے لئے"
 کاش! گنگا، تو ہمیشہ کے لئے لے لے لے مجھے
 یوں اگر بیتاب تھی میرے بلانے کے لئے
 آرزو رشیوں کے درشن کی بھی تھی بیشک مجھے
 پر نہ تھی تیار اس حالت میں آنے کے لئے
 کیا کموں گی؟ کیوں ہوئی آوارہ و مشتِ بلا
 ننگ ہوں اب کہ اُن کے آستانے کے لئے

داغ رسوائی جو فرضی و امن بیتا پہ سے
 مٹ ہی جاؤں کاش میں اس کے مٹانے کے لئے
 ہاتھ! وہ دل کس طرح مجھ سے مکدر ہو گیا
 جو دل صافی تھا آئینہ زمانے کے لئے
 جاننے والے ہیں وہ اسرار کے ادل تو پھر
 آتش سوزاں تھی کافی آزمانے کے لئے
 رام کی خاطر زمانے بھر کو چھوڑا غما، مگر
 آہ! مجھ کو رام نے چھوڑا زمانے کے لئے
 لب پہ شکوہ رام کا آئے تو کٹ جائے زباں
 مجھ کو پیدا ہی کیا صدے اٹھانے کے لئے
 بدگماں ہو رام مجھ سے، یہ تو ممکن ہی نہ تھا
 کس طرح آتا جو کچھ تھا پیش آنے کے لئے

میں نہ چھوڑوں گی نہ چھوڑوں گی خیالِ رام کو
گو مچلتا ہی رہے دامن چھڑانے کے لئے؛

آہ! اے صحرا کے پھولو کس لئے ہنستے ہو تم؟

کس لئے ہنستے ہو تم! کس کو ہنسنا نے کیلئے؟

تم نہ تھے وہ روئے خنداں رام کا تھا اے گلو

اب ہنسو گے تم کسی کو خوں رلانے کے لئے

اب نہ سیتا کی وہ آنکھیں ہیں نہ وہ سیتا کا دل

دل ہو خوں ہونے کو آنکھیں خوں بہانے کے لئے

لطفِ گلگشتِ چمن صحرا میں تھا ہمراہِ رام

سبزہ زار و آبی ہوں اب خاک اڑانے کے لئے

آہ اے بادِ صبا! اٹھکیلیوں کے دن گئے

اب چلے گی تو کسی کی خاک اڑانے کے لئے

دل بڑھے گا کس کا اب کالی گھٹا کو دیکھ کر
 آئے گی تو آئے گی بجلی گرانے کے لئے
 دھرتی ماتا! کھول دے آغوشِ الفت کھول دے
 ساری دُنیا اب ہے مجھ کو کاٹ کھانے کے لئے
 ہیں کہاں اے آسماں تیرے وہ اندازِ ستم
 ٹوٹ پڑے جف کو آ زمانے کے لئے
 پوچھتی پھرتی ہوں تیرے گھر کو مرگِ ناگہاں
 مضطرب ہے آہ! جانِ زار جانے کے لئے!



اعجازِ عصمت

کہاں جنگل وہ کائناتوں کے کہاں رشکِ چمن بیتا
 کہاں رستے پہاڑوں کے کہاں نازک بدن بیتا
 کہاں تپتے ہوئے صحرا، کہاں برگِ سمن بیتا
 کہاں وہ بالشرِ خارا، کہاں گلِ پیروزِ بہن بیتا
 کہاں سے ان مصائب کے اٹھانے کا جگر پایا
 ”پتی بڑت و صرم“ کی طاقت نے یہ اعجاز دکھلایا
 کہاں بیتا ہمارا نبی، کہاں وہ قیدِ راویں کی
 وہ فرقتِ رام کی، وہ دھمکیاں عصمت کے دشمن کی
 وہ تنہا سا کلیجا، وہ ڈراؤنی صورتیں بن کی
 وہ تدبیریں نئی ایذا سے جان و کاہش تن کی!

مگر آخر مقدر خود کئے پر اپنے پچپت یا
پتی بزت دھرم کی طاقت نے یہ اعجاز دکھلایا

ادھر تھے دو مسافر بے سرو سامان اور تنہا

ادھر راون بصد شاہانہ شوکت جلوہ فرما تھا

سمندر بیچ میں حائل نہ آراُس کا نہ پار اُس کا

جلا دی کس طرح بن باسیوں نے پاپ کی لٹکا

یہ کس کی آہ نے راون کو خاک و خوں میں تنط پایا

پتی بزت دھرم کی طاقت نے یہ اعجاز دکھلایا

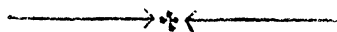
نکل کر کوکب اُمید کا پھر وہ نہاں ہونا

نئے بن باس کے صدمے وہ پھر بے خانماں ہونا

سبک تھا کوہ غم جن سے وہ اُن کا سر گراں ہونا

دوبارہ بخت بد کا در پہلے آزار جاں ہونا

کہاں سے ان مصائب کے اٹھانے کا جگر پایا
 پتی بڑت دھرم کی طاقت نے یہ اعجاز دکھلایا
 زمانہ ایک جنگل میں یونہی باپ چشمِ غم گزرا
 شبِ فریاد آئی آہ! جب روزِ الم گزرا
 خبر دے کہ گیا وہ آبدِ غم کی جو دم گزرا
 ہوئی بیتاب سینا سر سے جب طعَنِ غم گزرا
 نہ میں شق ہو گئی فریاد سے، اک زلزلہ آیا
 پتی بڑت دھرم کی طاقت نے یہ اعجاز دکھلایا



راون کا ماتم

بیٹھا جگد میں رام کا تیرفنا پیام
 راون کی ہست و بود کا قصہ ہوا تمام
 افواج رام میں پڑی کوہِ ظفر پہ چوٹ
 جس سے کہ کھائی راکھ سوں نے جگر پہ چوٹ
 نصرت نے نذر رام کیا تاج افتخار
 غلطاں بچوں و خاک تھا لٹکا کا تاجدار
 رنواس میں تھیں چشم برہ رانیاں تمام
 اک انتظار میں ہوئی آخر سحر سے شام
 راون کے حشر کی جو حرم میں خبر گئی
 برچھی تھی اک کہ چاک کلجوں کو کہ گئی

ہاتھوں میں تھام کر جب گرجا پاش پاش کو
 سب دیکھنے نکل پڑیں رادن کی لاش کو
 جگمگاتے وہ رانیوں کا جو ماتم کناں چلا
 فریاد و آہ و نالہ کار اک کاررواں چلا
 وہ دل جلوں کے نالے وہ ماتم سہاگ کا
 تھا سوزِ دل سے ہر نفس اک شعلہ آگ کا
 کھل کھل کے آئے تا بہ کمر مٹے عنبریں
 دھل دھل کے اشک سے ہوئے قیروئے آتشیں
 جوشِ الم میں روتی ہوئیں پھوٹ پھوٹ کے
 لاشے پہ آکے گرنے لگیں ٹوٹ ٹوٹ کے
 یوں لاش پر پہنچ کے ہر اک سر کے بل گئی
 گویا زمین پاؤں تلے سے نکل گئی !

بن پڑتی تھی نہ کچھ دل اندوہناک سے
 پہلو میں اٹھ کے درد اٹھاتا تھا خاک سے
 کہتی کوئی کہ ہائے مر راج لٹ گیا
 لڑکا کا تخت بیٹھ گیا، تاج لٹ گیا
 پاؤں کو چومتی کوئی ہیجانِ شوق میں
 دریا بہا کے آنکھ سے طوفانِ شوق میں
 بیٹھی تھی کوئی لاش کا زانو پہ سر لے
 بہرِ نثار بر کھنڈ مڑگاں گھر لے
 تن سے لپٹ کے رونے لگی خستہ جاں کوئی
 پانچوں کو دے کے دل ہوئی محو فناں کوئی
 کہتی تھی بازوؤں کو کوئی مقام مقام کے
 "ہم نہ بلوں کا آہ! سارا یہی تو تھے"

”ان بازوؤں کی آہ! وہ قوتِ کدھر گئی
 جن سے اٹھے پہاڑ وہ طاقتِ کدھر گئی“
 ”کیوں گردِ اجل میں حائل ہوئے یہ ہاتھ؟
 ہم سے نہ ذوقِ وصل کے سائل ہوئے یہ ہاتھ“
 کہتی کوئی ”یہ شعبہ دے بھاتے نہیں ہیں
 لو اٹھ کے بیٹھو! موت کا آیا یقین نہیں!“
 طاقت سے اپنی زیرِ جو اندر کو کر چکا
 وہ فانیوں کے تیسرے ہوائی سے مرچکا“
 مسدودی کہ صاحبِ حُسن و جمال تھی
 راون کی شاہ بانوئے زیبِ اخصال تھی
 یوں بھٹی وہ رانیوں کے ہجومِ کثیر میں
 جیسے ہو ماہِ تابِ نجومِ کثیر میں

سر پٹیتی تھی، روتی اور نالے کرتی تھی،
 لاشے کو دیکھ دیکھ کے سر د آہیں بھرتی تھی
 کہتی تھی، پران نا تھ! نہ کہتی تھی آپ سے؟
 پاپی کی موت پاپ ہے، باز آؤ پاپ سے
 تقدیر تھی جو دشمن جانی، ہزار حیف!
 میری نہ ایک آپ نے مانی، ہزار حیف!
 وہ دن بھی تھے آپ سے ڈرتے تھے دیوتا
 دم آپ کے جلال کا بھرتے تھے دیوتا
 سرتاج آپ تاجوران جہاں کے تھے
 ہمایہ اوج رتبہ میں ہفت آسماں کے تھے
 لرزے میں جس کے دم سے تھے افلاک و ادربغ
 بجیں پڑا ہے اب وہ سرخاک، وادربغ!

لڑھکا ہوا کہیں تن بیجاں ہے سر کہیں
 ترکش کہیں ہے تیر و کمان منتشر کہیں !
 لٹکا کے شور پیروں کا نام و نشان مٹا
 شاہی مٹی ، غرور مٹا ، خاندان مٹا !
 ہوتا ہے یوں ظہور خدا کے عتاب کا
 چرچا رہے گا دہریں اس انقلاب کا
 تار و زحشر باعث عبرت رہیں گے ہم
 آماجگاہ تیر ملامت رہیں گے ہم !
 ٹھنکا تھا میرا ماتھا اُسی روز آپ جب
 لٹکا میں لے کے آئے تھے سینا کو با تدب
 تاثیر آہ تھی اُسی عصمت آب کی
 بھڑکی پیچس سے آتش سوزاں عذاب کی

یہ آگ وہ ہے جس سے جلے خشک تر تمام
 اس کی لپٹ میں آہی گئے بحر و بر تمام
 دھڑکا تھا جس آل کا آخر ہوا وہی
 اول سے جس کا ڈر تھا ہونی انتہا وہی
 جان گناہ تیرے فنا کا نشانہ تھی
 رگھیر! تری نگاہ غضب اک بہانہ تھی
 شوہر کو روڈوں آہ! کہ روڈوں پسر کو میں
 دل کا کروں علاج! کہ فضا میں جگر کو میں
 یہ کہتے کہتے ہو گئی بے حال وہ غریب
 چکرا کے غش میں آ کے گری لاش کے قریب

پند و نصائح

آلودہ گناہ تیرا خاک ہو گیا
یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے!



پُرانا کُرتہ

کل سحر پھینک کے اک اپنا پُرانا کُرتہ
یوں لگا سوچنے میں، سر پہ گہیاں ہو کر
کہ یہ کُرتہ جو رہا بر میں مثالِ جوشن
دافعِ ضربتِ شمشیرِ زمستان ہو کر
شدتِ موسمِ سرما سے بچا یا مجھ کو
کی ہے کیا خوب ہی جاں پروری بیجاں ہو کر

آج یہ کہنہ ہوا، میں نے اسے پھینک دیا
 وہ س سے کی میں نے مروت ہی انساں ہو کر
 شاعرانہ سی پڑی تھی مرے دل میں اُلجھن
 کہ صدارت نے دی مجھ کو یہ غراں ہو کر
 کس توہم میں ہے محروم! ذرا آنکھ تو کھول
 کس لئے بیٹھا ہے غافل تو پریشاں ہو کر
 لے سبق پارچہ کہنہ سے دانا بن کر
 نہ کہ مغموم سا ہو بیٹھ تو ناداں ہو کر
 یہ ترا جسم بھی کُرتے کی طرح ہے غافل
 اور اس کُرتے میں ہم رہتے ہیں پنہاں ہو کر
 یہ بھی اک روز اسی طرح پُرانا ہو گا
 پھینک دیں گے اسے اور نکلیں گے غریباں ہو کر

فانی چولے سے محبت کو گھٹاتا جاتا تو
تاکہ جب چھوڑیں تو چھوڑیں اسے شاداں ہو کر



الدُّنْيَا دَارُ الْغُرُورِ

ہر شمع اپنے زعم میں یاں برقی طور ہے
ہر کشتہ کی کو دعویٰ ہم سرئی کوہ نور ہے۔
عالم میں کبر و عجب کا ہر یونہی نور ہے
دُنیا تے انکار جو ہے یاں سے دور ہے
ہم کو تو اس جہاں سے شکایت ضرور ہے
دُنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے!

خوابوں کو اپنی خوبی صورت پہ ناز ہے
 مٹی کو گوری سا ٹولی رنگت پہ ناز ہے
 ناز واداپہ چشم پر آفت پہ ناز ہے
 تنتے ہیں قدر شک قیامت پہ ناز ہے
 جوان کو دیکھتا ہے، وہ کتنا ضرور ہے
 دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے !
 شاہوں کو اپنی صولت شاہی پہ ہے گھمنڈ
 نعمت پہ، عیش و عشرت شاہی پہ ہے گھمنڈ
 جاہ و حشم پہ، دولت شاہی پہ ہے گھمنڈ
 طبل و علم پہ، شوکت شاہی پہ ہے گھمنڈ
 ہر شخص اُن کو دیکھ کے کتنا ضرور ہے
 دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے !

زاہد کو دیکھئے، تو الگ اس کی شان ہے
 خلقِ خدا پہ طعن ہیں، طاعت کا مان ہے
 حضرت کو زہدِ خشک پکتنا گمان ہے
 بگڑا ہوا مزاج سرِ آسمان ہے
 جو اس کے ڈھنگ دیکھ لے، کتنا ضرور ہے
 دُنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرُور ہے!
 عالم جو اپنے علم پہ پھولا ہوا نہیں
 ہم کو تو اس جہاں میں ابھی تک ملا نہیں
 جاہل پہ کون عالمِ دانا ہنسا نہیں
 رونا یہ ہے کہ کوئی بھی عجزِ آشنا نہیں
 نشہ شرابِ علم میں ہے، اور ضرور ہے
 دُنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرُور ہے!

اہل ہوس کو حرص کی وسعت کا فخر ہے
 ہل من مزید کہنے کی عادت کا فخر ہے
 قانع کو اپنے گنج قناعت کا فخر ہے
 ہمت کا، اور غیور طبیعت کا فخر ہے
 معیوب ہو نہ ہو یہ تکبر ضرور ہے
 دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے !
 محروم خاکسار ! جہاں کا یہ حال ہے
 ہو اس جہاں سے دور جو فکر مال ہے
 نام و نمود نے جو چھپایا یہ جال ہے
 بچنا مرے خیال میں اس سے محال ہے
 گر کھل سکی نہ آنکھ، تو پھنسا ضرور ہے
 دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے !

جگانے کی گھڑی

وقتِ سحر ہے، سونے والو! دھیان کدھر ہے، سونے والو!
 جاگو نیند کے اے متوالو! نطفِ سحر کو کھونے والو!
 جاگ اُٹھا ہے پتا پتا غفلت کیسی؟ سونا کیسا!
 بادِ سحر کے جھوٹے آئے مجنبتِ ترکے جھوٹے آئے!
 جاگو، پہلو بدل کر دیکھو اُٹھو، آنکھیں مل کر دیکھو!

صلِّ علیٰ یہ نور کا عالم

ہر ذرے پر طور کا عالم! x

تازہ نوا مُرغانِ چمن ہیں نغمے جن کے جانِ چمن ہیں
 میٹھی بولی بول رہے ہیں اُڑنے کو پر کھول رہے ہیں

وجد میں ہیں سب آئے جاتے حمدِ خدا کے گیت ہیں گاتے

گلشن میں جو نہر ہے جاری کھرتی ہے سجدہ خالق باری

حمد و ثنا کے ترانے گاتی

اپنی جبیں کو ہے گھستی جاتی

نخل کھڑے ہیں سر کو جھکاٹے دستِ دُعا شاخوں نے اٹھائے

ذکرِ خدا میں چمن کی زباں ہے خار کا ہم کو جس پہ گماں ہے

محوِ یادِ خدا ہے سبزہ سر بسجود پڑا ہے سبزہ

شاخ پہ بلبل زمزمہ خواں ہے خاک پہ سنبل سجدہ کنال ہے

جاگو، یادِ خدا کی گھڑی ہے

وقتِ نماز، دُعا کی گھڑی ہے

شور اٹھا تا قوس و ازاں کا وقت نہیں یہ خواب گراں کا

عابد، شیخ، برہمن جاگے جانبِ مسجد و مندر بھاگے

عارف، زاہد اور پُجاری نیند نہیں ہے جن کو پیاری

نیند سے پیاری یاو خدا ہے یاو خدا میں جن کو مزا ہے

مخمل راز میں جا کر بیٹھے

دل کو جہاں سے اٹھا کر بیٹھے

کیونکہ یہ عالم دارِ فنا ہے اس میں سدا کب کوئی رہا ہے

تو ہے مسافر اس دنیا میں جیسے راہرو اترے سرا میں

وقتِ سحر گر رہو سوئے غفلت میں گر وقت کو کھوئے

چلنے سے ہو اگر وہ غافل کھوئی کبے گا اپنی منزل

تجھ کو بھی درپیش سفر ہے

جاگ اٹھ جاگ اٹھ! وقتِ سحر ہے



گوشہ تنہائی

دُنیا میں بہت دُورے راحت کے تمنّائی
تسکین کی مگر صورت تجھ میں ہی نظر آئی
اے گوشہ تنہائی!

بچہ نہیں دل، جس کو لے جائیے میلوں میں
جُز تیرے کہاں راحت دُنیا کے جھیلوں میں
اے گوشہ تنہائی!

خلوت وہ تری جس میں ہنگامہ جلوت ہے
وحدت کا تری غُنجہ اک گلشنِ کثرت ہے
اے گوشہ تنہائی!

سب عیب دہنراپنے اے آئینہ باطن
 تجھ بن خطِ سر آجائیں یہ بات کہاں ممکن
 اے گوشہ تنہائی!

سااں ہیں بہم تجھ میں سب دل کی حضوری کے
 محفل میں کہاں تیری صد مے ہجوری کے
 اے گوشہ تنہائی!

آزار سے بالا ہے گوزیرِ زمیں ہے تُو
 اربابِ قناعت کو فروس بریں ہے تُو
 اے گوشہ تنہائی!

جنگل میں، پہاڑوں میں تاریک گپھٹاؤں میں
 مرغوب ترین ہے یا اشجار کی چھاؤں میں
 اے گوشہ تنہائی!

پاتے ہیں جہاں تجھ کو دُنیا میں ترے شیدا
 فی الفور وہیں اُن کے دکھ درد ہیں ناپیدا
 اے گوشہ تنہائی!

شاعر کہ مصوّر ہے فطرت کے نظاروں کا
 ذروں میں ترے اس کو جلوہ ہے ستاروں کا
 اے گوشہ تنہائی!

طالب ہیں ترے اکثر جو علم کے طالب ہیں
 تجھ سے روشن دل پر مضمون و مطالب ہیں
 اے گوشہ تنہائی!

تو مسکنِ دلکش ہے جو یائے حقیقت کا
 مرکز ہے حقیقت میں پہنائے حقیقت کا
 اے گوشہ تنہائی!

بازارِ دوعالم میں جو جنس نہیں ملتی
حیرت ہے کہ انسان کو آکر ہے یہیں ملتی
اے گوشہ تنہائی!

دنیا میں اگر کوئی منزل گہ عجب ہے
وہ تیری ہی محفل ہے وہ تیرا ہی لجا ہے
اے گوشہ تنہائی!

ہر ایک تگ و دو کی ہے آخر کار، آخر
گر تجھ سے یہاں بھاگے ہے کُنچ مزار آخر
اے گوشہ تنہائی!

خواہاں ہے دل و جاں سے محرومِ حزیں تیرا
کاش! اس کو دلِ ناداں ہونے دے کیس تیرا
اے گوشہ تنہائی!

علم

رباعی

بیکار ہریاں شیوا بیانی اپنی بیسو دہے اس طبع روانی اپنی
محروم ہر خاموش قلم ہر ساکت خود علم سناتا ہر کمانی اپنی

بزمِ جہاں میں ساغر آب بقا ہوں میں
آزارِ مرگ کیا ہے کہ خاکِ شفا ہوں میں
میرے ہی دم سے ہے گلِ مستی میں رنگِ بو
ابر بہار ہوں میں، نیم صبا ہوں میں

رونقِ طلسم خانہ امکاں کی مجھ سے ہے
 ہوں وہ طلسم ہوش کہ حیرت فزا ہوں میں
 وہ میری کنگلی ہے، فدا جس پہ تازگی
 دورِ قدیم سے ہوں، مگر نت نیا ہوں میں
 سب شوخیاں ہیں عالمِ ایجا د میں مری
 میرے ہیں سب کرشمے، جدھر دیکھتا ہوں میں
 سب جانتے ہیں نورِ حبیبین ازل مجھے
 رنگِ ظہورِ خالقِ ارض و سما ہوں میں
 عارف کے واسطے ہوں میں خورشیدِ معرفتِ بہمان
 بہم نرن طلسمِ شب با سوا ہوں میں
 گمراہ میری راہ پہ ہوتا نہیں کوئی
 پر تو وہ چراغِ طریقِ صفا ہوں میں

مشکل نہیں ہیں راہِ حقیقت کے مرحلے
 منزل نہیں ہے دُور اگر رہنما ہوں میں
 دیتا ہوں بے نشان کا نشان کچھ نہ کچھ ضرور
 طالبِ زمانہ جس کا ہے اُس کا پتا ہوں میں
 ہر چند وہ رسائی و دانش سے دُور ہے
 ہے یہ بھی جاننا، کہ نہیں جانتا ہوں میں
 میراثِ انبیا مرا مشہور نام ہے
 سیدھا سا ایک وسیلہٴ قربِ خدا ہوں میں
 دیتا ہے گو یہ سارے زمانے کو روشنی
 رُبتے میں آفتاب سے لیکن سوا ہوں میں
 اس آفتاب میں تو ہے ظاہر کی روشنی
 دراصل آفتابِ حقیقت نما ہوں میں

ظلمت فزائے دل نہ وخورشید ہوں ابھی
چشمِ جہاں سے آج نہاں گہ ذرا ہوں میں

میرا وطن نہ پوچھئے مجھ سے کہ صبح و شام

غربت میں مثلِ بادِ یہ گہ و صبا ہوں میں

اُس سرزمین پہ کرتا ہوں چندے قیام بھی

جوہر کی اپنے قدر جہاں دیکھتا ہوں میں

نفرت غرور و کبر سے ہئے کاہلی سے ہے

ان کا جہاں عمل ہو، وہاں سے اٹھا ہوں میں

اس مملکت میں میں نے گزاری ہیں مدتیں

سچ پوچھئے تو ہند میں پیدا ہوا ہوں میں

جنتِ نساں یہی ہے پُرانا وطن مرا

پر وال چڑھا اسی میں، اسی میں بڑھا ہوں میں

پالا اسی نے دامنِ شفقت میں ہے مجھے
 ساتھ میں اس کی ہر کے صدیوں رہا ہوں میں
 یونان و مصر میں بھی پھسراؤں ، مگر
 جس ملک میں گیا ہوں یہیں سے گیا ہوں میں
 گنگا کے یہ کنارے ، ہمالہ کی چوٹیاں
 تھے میری سیرگاہ ، انہیں جانتا ہوں میں
 یورپ میں آج کل ہیں مرے قدرواں ، مگر
 واں صرف صرفِ ماقہ بے بقا ہوں میں
 بھارت و رش میں جب تھے مرے دنِ عروج کے
 اُس وقت کیا تھا ، آہ ! مگر آج کیا ہوں میں
 جس رنگ میں ہوں خیر وہی رنگِ خوب ہے
 ظاہر ہوں جس ادا میں ، بہت دلیرا ہوں میں

کچھ ذوق دید ہے، توجہ انان زئدہ دل
 دیکھو مجھے کہ شاہد رنگیں ادا ہوں میں
 ایسے مرے نصیب کہاں ہیں جو اس کو
 مجھ میں وہ رس ہے لاکھ فزوں کا مرا ہوں میں
 رکھتا ہوں اپنے طالبِ صادق کو شاد کام
 مائل کوئی مرا ہے تو اس پر فدا ہوں میں
 رہتا ہوں مثلِ مردِ پاکِ چشم آنکھ میں
 بٹتا نہیں ہوں دل سے، وہ نقش وفا ہوں میں
 ہر ملک، ہر دیار میں عالم کی قدر ہے
 سارا زمانہ دوست ہے، گر آشنا ہوں میں
 بوڑھوں میں رکھتا ہوں جوانوں کی آن بان
 وہ ہاتھ ناتواں نہیں، جس میں عصا ہوں میں

مفلس نہیں رہا کہیں طالب کوئی مرا
 میں کوہِ زہر ہوں، کانِ گم، کیسیا ہوں میں
 اقبال جس کو کہتے ہیں پروردہ ہے مرا
 کیا سایہ ہما ہے، ہما کا ہما ہوں میں
 یورپ کو دیکھئے کہ ہے دولت سے مالا مال
 وہ غوطہ زن ہے مجھ میں کہ بحرِ سخا ہوں میں
 محتاج ہر ہنر ہے مرا، اور ہر ایک فن
 میں ابتدا کمال کی ہوں، انتہا ہوں میں
 خاک، آب و باد، و آتشِ سرکشِ بدیں جلال
 سب میرے زیرِ حکم ہیں فرمانروا ہوں میں
 رستے بنائے میں نے پہاڑوں کو چیر کر
 ہمدِ ذرا جو انجینیئر کا ہما ہوں میں

شہل زمیں بنے ہیں سمندر پہ شاہراہ
 بیڑے کو خوف کیا ہے، اگر نا خدا ہوں میں
 ادنیٰ سا ہے کرشمہ، تعجب ہے اس میں کیا
 لے کر اگر بشر کو ہوا میں اڑا ہوں میں

لونڈی ہے میری برق، بخارات ہیں غلام
 رونو سے تار، ریل کو چلوا رہا ہوں میں
 ظاہر نظر فریب ہے، باطن ہے دلپذیر
 ہر رنگ اور روپ میں جلوہ نما ہوں میں
 موجود ہر لاپ میں ہوں، ہر خیال میں
 ہوں شاعری کہیں، تو کہیں فلسفا ہوں میں
 ہیں ہوں کہیں نقوش، ریاضی میں جلوہ گر
 منطق کے سلسلوں میں کہیں بولتا ہوں میں

پیدا کرد میں شیکسپیر اور والیک
 ہے لطف گر معادن طبع رسا ہوں میں
 اظہارِ امر و اقعی محو روم کر دیا
 ورنہ نہ خود فروش نہ کچھ خود نما ہوں میں



ترغیب سفر

بُوئے چمن اگرچہ پریشاں سفر سے ہے
 لیکن مشامِ خلق پہ احساں سفر سے ہے
 گلِ زینتِ گلوئے حیناں سفر سے ہے
 غزت کا باغِ دہریں ساماں سفر سے ہے

برہم مزاج خام خیال سفر سے ہے
تکمیل پختہ کاری انسان سفر سے ہے!

گھر میں جو اپنے بستہ زنجیر رہا ہوا

دیوانہ پیش اہل خرد وہ بشر ہوا

دشوار جس کی چاہ میں ذوق سفر ہوا

انسان کو مثل خانہ زنداں وہ گھر ہوا

آزادہ رو نہیں ہے، جو ترساں سفر سے ہے

تکمیل پختہ کاری انسان سفر سے ہے!

دیکھو زمیں پہ گردشِ شام و پگاہ کو

یا پھیرو سونے عالم بالانگاہ کو

کب ہے قرار انجم و خورشید و ماہ کو

ہر وقت قطع کرتے ہیں غربت کی راہ کو

کل انتظامِ عالمِ امکان سفر سے ہے
 تکمیلِ پختہ کاریِ انساں سفر سے ہے !
 سمجھے کوئی فراستِ اہلِ فرنگ کو
 ہر پھر کے دیکھتے ہیں یہ عالم کے رنگ کو
 آخر ہلا کے سلسلہٴ صلح و جنگ کو
 لیتے ہیں ہند سندھ کو اور روم و رنگ کو
 یورپ جہاں کشتا و جہاںباں سفر سے ہے
 تکمیلِ پختہ کاریِ انساں سفر سے ہے !
 نت دیکھتی ہے آنکھ نظارے نئے نئے
 شہر و دیار و مزرعہ سارے نئے نئے
 دریا نئے اور اُن کے کنارے نئے نئے
 پانی ہے موج طبعِ آبِ ہارے نئے نئے

دل لحظہ لحظہ تازہ فرحاں سفر سے ہے
 تکمیلِ پنختہ کاریِ انساں سفر سے ہے!
 مفقودِ قدرِ جو بہرِ قابلِ وطن میں ہے
 شبنمِ رہینِ پستیِ ہمتِ چمن میں ہے
 نحوں دلِ عقیق کا اسی غم سے یمن میں ہے
 اور نائفہ داغِ حسرتِ قیمتِ ختن میں ہے۔
 تاجِ شہی پہ گوہرِ غلطاں سفر سے ہے
 تکمیلِ پنختہ کاریِ انساں سفر سے ہے!
 ہو ذوقِ دل تو دید کے قابلِ ہیں بحر و بر
 بیٹھے رہو نہ دیدہٴ بیسنا کو موئد کر
 درپیشِ سب کو گلشنِ عالم سے ہے سفر
 رہتا نہیں کبھی ثمرِ پنختہ شاخ پر

ہے کچھ اگر، تو خام، کو نقصاں سفر سے ہے
تکمیل پختہ کاری انساناں سفر سے ہے!



شراب

فریب دہر نے تدبیر جانشانی کی
کہ شکل آگ نے کی اختیار پانی کی
ہوئے بلاکشیں مستی سُور کے جویا
کبابِ نارِ جہنم ہیں نور کے جویا
یہ آب وہ ہے کہ جس کے جناب شعلے ہیں
یہی تو آتشِ مئے کے جناب! شعلے ہیں

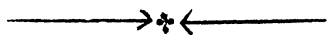
جگر کو، جان کو، دل کو جلا کے چھوڑتی ہے
 بشر کو کوئلہ آخر بنا کے چھوڑتی ہے
 جلا کے جو ہر ادراک کو دھواں کر دے
 دماغ کو وہ ابا لے کہ نیم جاں کر دے
 مقام حیف ہے ان کی یہ اہلی، افسوس!
 کہ آگ سے ہیں بجھاتے یہ تشنگی، افسوس!
 نہ حور ہے، نہ یہ کوئی پری ہے شیشے میں
 رہے خیال کہ آتش بھری ہے شیشے میں
 ذلیل کرتی ہیں آخر شرارتیں اس کی
 یہیں دکھاتی ہیں دوزخ حرا زیں اس کی
 بن آئی مرنے ہیں اکثر جو اس پہ مرتے ہیں
 جہاں سے عین جوانی میں وہ گزرتے ہیں

نہیں ہے پھول یہ ہرگز، ہزار گلگوں ہو
 کہیں نہ ذوق بہارِ شباب کا خوں ہو !
 عدو آبرو و ننگ محض نام اس کا
 منے نہ کوئی شرارت بھرا پیام اس کا
 یہی بناتی ہے دیوانہ ہوشیاروں کو
 گلی گلی میں گراتی ہے وضعداروں کو
 یہ سر پہ جن کی طرح جب سوار ہوتی ہے
 ہزار ہو کوئی عاقل، تیس نہ کھوتی ہے
 ہم اس کو مایہ فسق و فجور کہتے ہیں
 جو بات کہنے کی ہے، وہ ضرور کہتے ہیں
 اگر ہے تلخ، تو سَم سے بُری ہے مشفق من !
 اگر ہے میٹھی، تو میٹھی چھری ہے مشفق من !

ہجوم

آبِ رزیں میکشوا زہراب کی تاثیر ہے
 موتِ خوابِ مستی رنڈانہ کی تعبیر ہے
 خندہ جامِ پُر از مئے خندہ تقدیر ہے
 قلقلِ مینا پیامِ نالہ شبگیر ہے
 جامہٴ رسوائی تن پر، سر پہ ہے لنت کا تاج
 تیرگی منہ پر ہے، یہ مئے خوار کی تصویر ہے
 بُو الہوس! اکسیر ہے بیشک شرابِ ارغواں
 خاک کر دیتی ہے زر کو، ہاں عجب اکسیر ہے
 ہے بزرگی بخش مئے، قرباں ترے پیرِ مغان
 گپیٹے اس کو جواں، دو چار دن میں پیر ہے

چیر دیتی ہے جگر کو ٹکڑے کر دیتی ہے دل
 یہ کوئی خنجر ہے، یا شمشیر ہے، یا تیر ہے
 کیوں عذاب بادہ خواری ہند پر نازل ہوا
 اے فلک! ہے کیا خطا؟ کیا جرم؟ کیا تقصیر ہے
 صفحہ ہستی سے مٹ جائیگا جوں حرفِ غلط
 دل پہ لکھ رکھ بادہ کش! محروم کی تحریر ہے



نوجوانو! شراب سے بچنا!

نوجوانو! شراب سے بچنا	اثر نہ رہنا بے بچنا!
آپ تنہا لباس ہو یہ نئے	نگے آپ تباہ سے بچنا!
اس کے دل کی پیاس بجھتی ہے	ہاں! فریبِ شراب سے بچنا!

میکدہ یہ نہیں، جہنم ہے دُور رہنا! غذا بے بچنا!
 نہیں بول میں آبِ خنجر ہے تیغ بُراں کی آب بے بچنا!
 کہیں کرے نہ خانماں برباد اسی خانہ خراب بے بچنا!
 مٹنے لگا کر اسے نہیں ممکن بوسہ ہائے کلاب بے بچنا!
 میکشی ہے خدا کو نامنظور آسمانی عتاب بے بچنا!
 پندِ محسروم پر عمل کرنا نوجوانو! شراب بے بچنا!



دورنگی زمانہ

عجب مختلف زمانے کی حالت نہ دیکھا کسی کے برابر کسی کو
 بنایا ہے خود خالق داد کرنے معذرت کسی کو محقر کسی کو
 کسی کو چڑھایا ہے عرش برین گدایا ہے فرشِ زمیں پر کسی کو

کسی کو سکونِ شبِ ماہِ بختا
 کیا صورتِ برقی مضطر کسی کو
 رُلا یا کسی کو ہے شبنم کی صورت
 ہنسیا ہے مثلِ گلِ تر کسی کو
 کسی کو دئے اشکِ غمِ زخمِ حشر
 فزاواں دئے لعل و گوہر کسی کو
 بٹھایا کسی کو سرِ گنجِ دولت
 پھرایا گدا ئی میں دردِ کسی کو
 مریض ہے اشکوں سے امن کسی کا
 ملی موتیوں کی ہے جھالہ کسی کو
 کیا ہے کسی دل کو نرمی میں پانی
 دیا ہے عوضِ دل کے پتھر کسی کو
 کسی کو ملی کلفتِ شامِ ہجراں
 ملی راحتِ وصلِ دلبر کسی کو
 کسی کا ہے خونِ جگر پہ گُزارا
 دیا بادۂ نایبِ احمر کسی کو
 کسی کو ہے آئینہٴ سیما بنایا
 بنایا ہے حیران و ششدر کسی کو
 بھٹکتا ہے کوئی کوئے گمراہی میں
 بنایا ہے اوروں کا رہبر کسی کو
 کوئی اس جہاں کو سمجھتا ہو دوزخ
 یہ دنیا ہے فردوسِ منظر کسی کو
 یہ سب کچھ بجا ہے، مگر آخرِ کدن
 کرے گی اہلِ ایک ساہر کسی کو!

اُستاد

اُدھر ہے جبل، اُدھر علم، درمیاں اُستاد
 وسیلہ خسرو آموزی جہاں اُستاد!
 ازل سے وارث میراثِ انبیا ہے یہ
 بلند مرتبہ ہے زیرِ آسماں اُستاد!
 نہاں ہیں فطرتِ انساں میں جو ہر عالی
 ہنر سے اپنے سے کرتا اُنہیں عیاں اُستاد!
 ہے ذمّے تربیت اس کے جو نو نالوں کی
 چمن میں قوم کے ہے مثلِ باغیاں اُستاد!
 ہر ایک نسل کو اک کارواں اگر کہئے
 تو ابتدا میں ہے سالارِ کارواں اُستاد!

ہے پہلی منزل ہستی میں حضور راہِ حیات
 نگو خصال و ہمد و دُخوش بیاں اُستاد!
 دل و دماغ کر یگا کسی کے روشن کیا
 نہ دل کو اپنے جلائے جو شمع سا اُستاد!
 پڑھا سکا نہ وہ کچھ بھی، دلِ تلامذہ پر
 بٹھا سکا نہ اگر نقشِ جاوداں اُستاد!
 جو اک نگاہ سے کرتے تھے خاک کو اکبر
 کہاں گئے وہ مُعلّم، وہ مہرباں اُستاد!
 دلوں کی ہوتی تھی تعلیم فیضِ دل سے کبھی
 زباں ہی آج تو شاگرد ہے زباں اُستاد!
 ابھی مقاصدِ تعلیم سے ہیں دُور بہت
 اگرچہ پاس کر اتے ہیں امتحاں اُستاد!

کرے گاتشنہ دہانوں کو وہ جمعی سیراب
 ہو علم و فضل کا دریائے بیکہاں استادا!
 ستارا اس کے لٹکین پہ ہے جواں بخشی
 ملا ہے جس کو کوخو و سر باں استادا!



بچوں کا ہفتہ

رباعی

بچے ہیں قوم کا اہم سرمایہ یہ کم ہوں تو قوم بھی ہو کم سرمایہ
 لاکھوں مرتے ہیں سال غدوں سے کھو رہے ہیں ہم سرمایہ

اُن کی حالت پہ نظر رکھتے نہیں اہل وطن

حیف بصد جیف! کہ ہیں ہند کے بچے بیچار

بے خبران سے ہیں گلزار وطن کے مالی
 بن کھلے اس لئے ہو جاتے ہیں غنچے پامال
 نھنی جانوں کو اجل دیتی ہتے تکلیفِ سفر
 راہی ملکِ عدم ہوتے ہیں لاکھوں ہر سال
 ملک میں یوں تو مروج ہیں مسائل کتنے
 کبھی اٹھتا ہی نہیں ان کی حفاظت کا سوال
 قوم کے بچے ہیں کیا، قوم کا سرمایہ ہیں
 اس میں گنجائش انکار، نہ شک کی ہے مجال
 کتنی قیمت کا ہے یہ بیش بہا سرمایہ
 پوچھئے اُن سے جو قوم ہیں جہاں میں خوشحال
 فکر میں سود و زیاں کی ہے جسے دیکھئے یاں
 قابلِ غور نہیں کس لئے پھر اس المال

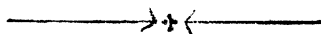
حیرت افزا ہیں یہ اطوارِ آں اندیشی
 کوڑیاں کرتے ہیں جمع اور گنوا تے ہیں لال
 بچے اس ملک میں ماں باپ کے ہوتے افسوس!
 بے کسی کی نظر آتے ہیں سراپا تمثال
 نہ انہیں ملتے ہیں موسم کے مطابق کپڑے
 نہ غذا پر ہے توجہ، نہ صفائی کا خیال
 تربیت کی ہے یہ حالت کہ وہی چل نکلے
 اتفاقاتِ زمانہ نے چلا دی جو چال
 کسی نزدیک کے مکتب میں بٹھا دیتے ہیں
 گھر پہ جب اُن کی شرارت نظر آتی ہے وبال
 کبھی بے جا ہے محبت، کبھی بے طور عتاب
 یہ وہ باتیں ہیں بگڑ جانے ہیں جن سے اعمال

جب کبھی مجمع اطفال پہ پڑتی ہے نظر
 بیشتر یا س فزا ہوتی ہیں اس میں اشکال
 بچہ ہمیش کی مانند نظر آتے ہیں مست
 چاہتے یوں کہ ہوں اس عمر میں مانند غزال
 دیکھ کر ہنسد کے بچوں کا یہ حال ابتر
 ایک خاتون زکو دل کے ہوا دل کو ملال !
 کر دیا سال میں ہفتہ جو مقدر اس نے
 پئے اطفال یہ ہفتہ ہے غنیمت فی الحال
 رفتہ رفتہ کبھی آجائے گا ایسا بھی دور
 وقف ہو جائے گا ہر لحظہ برائے اطفال

حُسن اور زیور

نسرین و گل کے حُسن کا گنا ہے سادگی
 سوزیوروں کا زیورِ زیب ہے سادگی
 محتاجِ زیوروں کا اگر ہے، تو حُسن کیا
 لعل و گمر کا دستِ نگر ہے، تو حُسن کیا
 دیکھ تو ماہِ تاب میں کوئی صفائے حُسن
 زیورِ بغیرِ کتنی ہے شانِ غنائے حُسن
 تاروں سے حُسنِ شب ہے فزوں، کیا مگر ہیں یہ
 زیور نہیں ہیں، رات کے لختِ جگر ہیں یہ
 زیور سے ہونہ طالبِ افزائشِ جمال
 کچھ اُذر ہے ذریعہٴ آرائشِ جمال

حُسنِ عمل سے رُوح کو اپنی نکھار تُو
 پھر دیکھ حُسنِ روکشِ گل کی ہزار تُو!
 لے حُسنِ مستعار، نہ زر سے نہ سیم سے
 دے رُخ کو تاب جلوۂ حُسنِ تہیم سے!
 تیرے عملِ حسین ہیں تو بیشک حسین ہے تُو
 گور شکِ ماہِ تاب بظاہر نہیں ہے تُو!

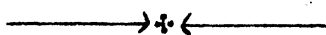


خیال

خیال پردہٗ باطن میں کام کرتا ہے
 اسی کا خارجی دُنیا میں نقش اُبھرتا ہے

نظر فروز ہیں جتنے مناظرِ زیبا
 ہوئے بصورتِ اوّل خیال میں پیدا
 جہاں میں جتنے ہیں ایوان و قصر شس پذیر
 رکھی خیال میں پہلے ہر ایک کی تصویر!
 جو آ کے دہر کے صنعتِ کدے میں چلتی ہے
 وہ گل خیال کے ساپنچے میں پہلے ڈھلتی ہے
 نہ ہوتی اور جِ نضا پر خیال کی پرواز
 تو آج ہم کو نہ آتے نظر ہوائی جہاز
 نہ ہے خیالِ مصوّر کی جلوہ آرائی
 عیاں ہے صفحہ کاغذ پر شانِ برنائی!
 فقط خیال سے صاحبِ کمال ہے شاعر
 ہے سچ تو یہ کہ طلسمِ خیال ہے شاعر!

کبھی مرقعِ عبرت کبھی ہے بزمِ سُرد
 جہاں کی شکل دُہی جو خیال کو منظور!
 خیالِ یزج ہے اعمال کے درختوں کا
 خیالِ نیک و طیرہ ہے نیک بختوں کا!



حیاتِ جاوید

زندگیِ رنج و غم کا نام نہیں	زندگیِ راحتِ دوام نہیں
باعثِ ہستیِ دوام نہیں	مطلقاً اپنے واسطے جینا
جس نفسانیت کا نام نہیں	زندگی ہے تو ہے وہی ابد!
موت پر زندگی تمام نہیں	نہیں سالوں پہ کچھ مدارِ حیات
پھر بھی یہ تیغِ بے نیام نہیں	گو نفسِ قاطعِ حیات ہوا

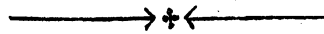
خاص بندوں کو ہوتا حاصل ذکر محرومی عوام نہیں
 بعدِ مرن بھی زندہ ہیں یہ لوگ ان کی صبح بقا کو شام نہیں
 چشمِ ظاہر سے گھوٹے پنہاں دل میں کیا کر چکے قیام نہیں؟
 ذکرِ جہم ہے ہر ایک محفل میں جم نہیں آج اور جام نہیں
 زندہ ہیں جن کے نام جیتے ہیں

مر کے بھی وہ مدام جیتے ہیں

ہاں! سن اے زندگی کے شیدائی چھوڑا نڈیشہ من و مائی
 رہ خدمت میں باندھ کس کے کمر چاہتا ہے اگر تو انائی
 لازمی ہے رضائے خالق کو خدمتِ خلق سے شناسائی
 حسرتِ آبِ بیت میں کتنی کی سکندر نے دشتِ پیمائی
 لے گیا دہم اس کو تا ظلمات خواہشِ دل مگر نہ بر آئی
 خاک سمجھا وہ رازِ ہستی کو تھا وہ صحرا نور و اسودائی

جس کو کہتے ہیں چٹہ جیواں وہ یہی کارِ خیر ہے، بھائی!
 زندگی اس سر لٹے فانی میں جس نے پائی، اسی ہے پائی
 ذکر ایسوں کا ہے حیات افزا موجبِ جرأت و شکیبائی

روشنی کے یہ ہیں مویٰ مینار
 جن سے اقوام کے ہیں بیڑے پار!



سیرِ گلستان^(۱)

(۱)

✓ کیا نامدار زیرِ زمیں دفن ہو چکے
 ہستی کا جن کی روئے زمیں پر نشان نہیں

اُس پیر لاشہ کو جو یکساں دفن خاک میں
 یوں خاک کھا گئی کہ کوئی استخوان نہیں
 زندہ ابھی ہے عدل سے نوشیرواں کا نام
 مدت ہوئی اگرچہ کہ نوشیرواں نہیں
 نیکی کرو جہاں میں غنیمت ہے زندگی
 وہ دن نہیں ہے دور کہ جب تم یہاں نہیں

(۲)

مناسب ہے کہ پیارے خدا کے جو تھے نہ کرتے تھے وہ دشمنوں کو بھی تنگ
 تجھے کیسے حاصل ہو یہ مرتبہ کہ ہے دوستوں بھی پر خاش خنگ

(۳)

ایک احمق اگر ہو محفل میں ہو گئے مانا کہی خدا دل میں
 حوض اگر اک گلابی ہو بھرا ایک کتا پلید کر دے گا

(۴)

ہیں تری خوبیاں تنقسیلی پر عیب پنہاں بغل میں ہیں لیکن
 کھوٹے پیسے سے آخرے مغرور! کیا خریدے گا مفلسی کے دن

(۵)

نہیں ہے مرد وہ دانا کے نزدیک لڑائی جو کرے پیل دماں سے
 حقیقت میں وہی ہے مرد پورا ہو جب غصے نہ بولے بدزباں سے

(۶)

اسی امید میں گزری دریغ عمر عزیز
 کہ دل میں جہے وہ پوری ہو آرزو میری
 امید ہو گئی پوری، ہوئی تو کیا حاصل
 نہیں امید کہ واپس یہ عمر ہو میری

(۷)

اک دوسرے کے عضویں، انسان ہیں جس قدر
 اک خاندان سبھی کا ہے، اک اصل، اک گھر
 اک عضو کھا کے چوٹ اگر بے قرار ہو
 جو دوسرے ہیں پھر انہیں کیسے قرار ہو
 اُوروں کے درد و غم سے تو بے غم اگر رہے
 ممکن نہیں کہ کوئی تجھے آدمی کہے

(۸)

پیٹ کو رکھ طعام سے خالی کہ نظر آئے معرفت کا نور
 تُو ہے حکمت سے اس لئے خالی کہ ہے کھانے سے ناک تک معمول!

(۹)

اک شخص مدرسے کو گیا خانقاہ سے توڑا و فائے صحبت اہل طریق کو

پوچھاییں نے عالم و عابدین فراق کیا؟ کیوں تُو نے اختیار کیا اس غرق کو
 بولا وہ اپنی جان بچاتا ہے موج سے اور اس کی ہی سی کہ پکڑے غرق کو

(۱۰)

جو عالم کہے اُس کو دل سے سُنو نہیں ہے وہ عامل، بلا سے نہ ہو
 سُنو، قول یہ کچھ بھی سچّا نہیں کہ سونے کو سوتا جگاتا نہیں
 سدا ہو نصیحت سے تم پرہ ور لکھی گو نصیحت ہو دیوار پر

(۱۱)

ہاتھی کو گو بچھاڑ دے اک مرد پہلو اں
 مردی نہیں ہے اُس میں اگر مرد می نہیں
 عاجز ہے خاک، خاک سے آدم کی ہے سرشت
 جس میں کہ عاجزی نہیں وہ آدمی نہیں

(۱۲)

رہانہ حاتم طائی مگر قیامت تک رہیگا نام بلند اس کا دہریہ میں مشہور
زکوٰۃ مال کی دے، کیونکہ فضلہ رزق جو کاٹتے ہیں تو دیتا ہو وہ بہت انگور

(۱۳)

زور آوری و مردی کے دعوے کو چھوڑ دے
جو نفس کا غلام ہے، عورت وہ مرد ہے
کیا مرد منہ کسی کا جو گلے سے توڑ دے
میٹھا کسی کا منہ جو کرے بس وہ فرد ہے

(۱۴)

چپے جب تک مٹی پر دے میں ہے گفتگو سے کھلتے ہیں عیب و ہنر
بند مٹھی میں دھری ہے چیز کیا کون بتلائے، کسی کو کیا خبر

(۱۵)

اے سیر! تجھ کو نانِ جویں ناپسند ہے
 مجھ کو عزیز ہے، جو ہے تیری نظریںِ زشت
 اہل بہشت کے لئے اعراف ہے سفر
 اہل سقر سے پوچھ کہ اعراف ہے بہشت

(۱۶)

کلوخ انداز سے جب کی لڑائی سمجھ لے تو کہ شامت تیری آئی
 جو دشمن پر چلایا تیر تو نے نشانہ اُس کا ہے خود، یہ سمجھ لے

(۱۷)

جس کو ملی ہے تو ت بازد و مرتبہ
 شایاں نہیں کہ لوگوں کو ٹوٹے گزاف سے

سخت امتحان کو کوئی ٹیکل بھی گیا تو کب
پھاڑے گی پیٹ، اترے گی ہرگز نہ ناف سے

(۱۸)

خوش کیونکہ ہو بادشاہ اُس سے
لوگوں پر ستم کرے جو کوئی
گر چاہے خدا ہو تجھ سے راضی
کر خلق خدا سے تُو نکوئی

(۱۹)

نسکیں گدھا اگرچہ بہت بدتمیز ہے
لیکن وہ بوجھ اٹھاتا ہے جس دم، عزیز ہے
لیکن یہاں ہیں موجب آزار جو بشر
ہیں وہ فضول، اُن سے تو بہتر ہیں گاؤ خرا

(۲۰)

وہ شخص جو کہ ہر گھڑی تجھ پر کرم کرے
کر دے معاف اُس کو کبھی گرسٹم کرے

(۲۱)

دوسروں کے عیب لے آتا ہے تیرے پاس جو
عیب لے جائیگا تیرے دوسرے کے روبرو

(۲۲)

دشمن کی موت پر ہو کیوں مجھ کو شادمانی
جب خود ہی بے بقا ہے میری یہ زندگانی

(۲۳)

کافوری شمع دن کو جلائے جو بے وقوف
ہو گا نہ شب کو تیل بھی اُس کے چراغ میں

(۲۴)

عالم جو کامرانی و تن پروری کرے
گمراہ خود ہے، کس کی بھلا رہبری کرے

(۲۵)

محتاج اُسی در کے ہیں سب مفلس و زردار
زردار زیادہ جو ہیں محتاج زیادہ

(۲۶)

وہ ہر شو دوڑتا ہے جس کو وہ دوسے ہٹاتا ہے
کسی در پر نہیں جاتا جسے وہ خود بلاتا ہے

(۲۷)

اگر کرتا، جو کچھ ہوں جانتا میں
تو ہوتا نیک خوا اور پارسائیں

(۲۸)

لوگوں کی ملاقات کو جانا تو نہیں عیب
اتنا بھی نہ جاؤ کہ وہ کہہ دیں کہ نہ آؤ

(۲۹)

تیسچھے جو تجھ کو چھوڑ چلا وہ شخص ترا ہمراہ نہیں
مت اُس سے لگاؤ دل اپنا جس شخص کو تیری چاہ نہیں



نکات شکستہ

۱۔ بادشاہوں کی مصائب

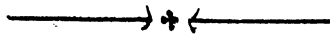
(رچرڈ کی زبانی)

”نہ چھیڑو ماجرا آرام و راحت، عیش و عشرت کا
 بجا ہے ذکر لوحِ تربت اور کرمانِ تربت کا!
 بجا ہے اشکِ خونیں چشمِ گریاں سے بنائیں ہم
 اور اس سے خاکِ پر افسانہ غم لکھتے جائیں ہم

چُنیں جلا داپنے اور کریں فکرِ وصیت کچھ
 مگر کیسی وصیت؟ جب نہیں باقی وراثت کچھ
 یہی لے دے کے جسم اپنا، میشتِ خاک باقی ہے
 سپردِ کنجِ مرتد اس کو کہ دینا ہی کافی ہے
 تمام اہلک اپنی، زندگی اپنی، امیر اپنے
 ہوئے سب غیر کے، اب غیر مرگ اپنا کسے کہئے
 اجل اپنی ہے اب یا ڈھیر وہ خاکِ بیاہاں کا
 محافظ بنے گا بعدِ مردن جسم بے جاں کا
 ادھر آؤ، خدا را با خاک ہی پر بیٹھ جائیں ہم
 اَلَمْ آگئیں فسانے مرگِ شاہاں کے منائیں ہم
 ہوئے معزول بعض اور بعض کام آئے لڑائی میں
 پھنسے بعض اپنے مقتولوں کی رُوحوں کی بُرائی میں

ہوئے مسموم بعض اپنے حرم میں بے وفائی سے
 ہوئے مقتول سوتے میں عذاب انتہائی سے
 خلائے تاج شاہی میں کہ ہے زیبِ سرخانی
 لگائے رکھتی ہے دربارِ اجل، وہ دشمن جانی
 وہاں سے خندہ زن رہتی ہے شوکت اور صولت پر
 ذرا سی دیر دے کہ فرصتِ اظہارِ کبر و فخر
 ہوا ہے کبر و نخوت سے سرِ ناداں کو بھرتی ہے
 یہ مُشتِ خاک دعوئے آہنی ہونے کا کرتی ہے
 اجل اپنی طرافت ہائے جور آگس سے خوش ہو کر
 چھو دیتی ہے اس دیوارِ قصرِ تن میں اک نشتر
 نہ شاہنشاہ رہتا ہے، نہ وہ اجلِ سلطانِ
 نہ آدابِ جاگیرِ سی، نہ آئینِ جہانِ بانی

ادب یوں ننگے سر ہو کر بجا میرا جولا تے ہو
 مری تکسیم سے تکسیم کا خاکہ اڑاتے ہو!
 یہ تکسیم و مراسم چھوڑ دو، جانا نہیں تم نے
 حقیقت کو مری ہستی کی پہچانا نہیں تم نے
 تمہاری طرح آب و ناز پہ میرا بھی گزرا ہے
 نہیں مجھ کو بھی احساسِ غم و حاجت سے چارا ہے
 ضرورت ہے اجنبائی، مطیع شادی و غم ہوں
 یہ کہنا سخت بے جا ہے، کہ میں سلطانِ عالم ہوں!



۲- رحم

مجنّش پذیرِ زور سے ہوتا نہیں ہے رحم
 ہوتا ہے خود یہ صورتِ ابرِ کرم چکاں
 روئے زمیں پہ از طرفِ اُوج آسماں!
 یہ رحم ہے دو گونہ سعادت سے سرفراز
 اک وہ سعید جس کی طرف سے ہوتا عیاں
 اور دوسرا وہ جس کو کیا اس نے شادماں!
 طاقتوروں میں طاقتِ اعلیٰ ہی تو ہے
 شاہوں کے واسطے ہے بہ از تاج زرفشاں
 ہے اس سے زیب و زینتِ شاہانِ ذی نشاں!

منظر ہے اقتدارِ مجازی کا وہ عَصَا
 دشتِ شہی میں جس کو میسر ہے عز و شان
 بے شبہ ہے وہ سطوت و جبروت کا نشان !
 لیکن عصا سے رحم کا ہے مرتبہ بلند
 نسبت عصا کو ہاتھ سے ہوتی ہے بیگیاں
 اور رحم تختِ دل سے ہے شاہوں کے حکمراں !
 ہے رحم وصفِ خاص خداوندِ پاک کا
 جب اُس کا جلوہ ساتھ ہوا عدل کے عیاں
 پیدا وہیں بشر میں ہوئی شانِ قدسیاں !



۳۔ پیٹ اور دیگر اعضائے تن

منحرف اک دن شکم سے ہو گئے اعضائے تن
 اور یوں لائے زباں پر گفتگوئے طعنہ زن
 غار کی صورت ہویدا درمیان تن ہے تو
 بست ہے اور طعمہ و نواہ کا مدفن ہے تو
 تو ہمارے ساتھ کس دن شامل محنت ہوا
 اپنا اپنا کام ہم تو کرتے رہتے ہیں سدا
 کوئی ہم میں دیکھتا ہے اور سنتا ہے کوئی
 کوئی ہادی اور تدبیر سیرایا ہے کوئی
 گرم رفتن کوئی ہے، چھوٹا کسی کا کام ہے
 اور انہی کاموں سے حاصل جسم کو آرام ہے

مسکرا کر پیٹ نے ان سے کہا، اے دوستو!
 طیش میں آ کر نہ مجھ پر پھبتیاں ایسی کہو
 اول اول مجھ میں بیشک آتی ہے ساری غذا
 درحقیقت ہے یہی باعث تمہاری زیست کا
 کشورِ تن کے ذخیرے کی دکان میں ہی تو ہوں
 جمع جس میں ہونو عرش، ایسا مکاں میں ہی تو ہوں
 دل تمہارا اور دماغ، اسے دوستانِ طعنہ زن
 جن کو کتنا چاہئے شاہِ دوزیرِ ملکِ تن
 پاتے ہیں مجھ سے غذا، دریائے خوں کی راہ سے
 پوچھ سکتے ہو یہ تم اپنے وزیر و شاہ سے
 اور شربانوں کی نہروں میں غذائیت تمام
 بھیجتا ہوں میں، سو آتی ہے تمہارے اپنے کام

تم اگر چاہو تو دے دوں دانے دانے کا حساب
 مجھ سے بیجا ہے شکایت مجھ پہ بیجا ہے عتاب
 مجھ سے لے جاتے ہو تم سب کھینچ کر ساری غذا
 یہیں معلوم بھی ہے مجھ میں رہ جاتا ہے کیا؟



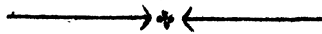
۴۔ نیرنگِ تخیل

دیوانہ و عاشق و سخنور	تخیل کے سرسبز ہیں سپیکر
دیوانے کی چشمِ وحشت آگیں	ہے دیکھتی ہر طرف شیا طیں
عاشقِ پیتلا جو دم کا ہے	دیو اُس کی نظر میں مہ لقا ہے
حیرت آلودہ چشمِ شاعر	ہے فرش سے تا بہ عرش ساثر

تخیل کے زادگان موہوم لوگوں کی نظر سے ہیں جو معدوم
دیتا ہے انہیں بصد لطافت شاعر کا تسلیم کمال صورت

اشکال جو نیست ہیں سر دست

لیتی ہیں بہن وہ جامہ ہست



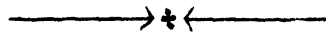
۵۔ ضمیر

(مذاقیہ انداز میں)

بیشک یہ چیز ہے خطرناک کر دیتی ہے ول کے حوصلے خاک
چوری جو کرو تو روکتی ہے جھوٹی قسموں پہ ٹوکتی ہے
ہسانی سے آنکھ جب لڑائی آنکھیں یہ وہیں دکھائی آئی
نثر مانا، لجانا اس کا ہے کام لیتی نہیں پہلو میں یہ آرام

ساتھ اس کے چلے تو کوئی کیونکہ
 ہے روکتی شگِ راہ بن کر
 پایا رستے میں کیسہ نہ ر
 (ہوتا ہے یہ اتفاق کمتر)
 دیکھا ہی نہ تھا مجھے کسی نے
 واپس دلوادیا اسی نے
 ہدم اس کا جو ہو گیا ہے
 دور و ز میں وہ ٹکڑ گدا ہے
 از بسکہ یہ چیز پڑ ضرر ہے
 شہروں سے کی گئی بدر ہے

جو چاہتے ہیں مزے میں رہنا
 مطلق نہیں رکھتے اس سے لہنا!



۶۔ اقسامِ غم

طالبِ علم و ادب کا غم نہیں ہے غمِ مرا
 جو کہ رشکِ آمیز ہے
 اور غمِ میرا نہیں غمِ زمزمہ پر وازہ کا
 جو کہ وحشتِ خیز ہے

غم مرادہ غم نہیں جو دل میں درباری کے ہے جس میں ہر بچے غرور
 غم سپاہی کا نہیں وہ غم جو میرے دل میں ہے ہر ہوس اس میں ضرور
 غم جو میرے دل میں ہے قانونوں کا غم نہیں جو کہ دانا یا نہ ہے
 غم نہیں وہ غم مراد دل میں حبیب کے جو ہے اور جو معشوقانہ ہے
 غم مرعاشق کے دل کا غم بھی تو ہرگز نہیں جس میں وصف ہیں
 پھر یہ کیسا غم ہے جس کا راز کچھ کھلتا نہیں آہ! خود حیرانوں میں



۷۔ نغمۂ آسمانی

کیا شان ہے فرشتہ آسمان کی چُنیاں ہیں جڑی ہوئی سنہری
 ہے خرد تریں کمرہ بھی اس کا مانند فرشتہ نغمہ پیرا
 گردش میں ہیں صاف گائے جاتے اور سر رہیں فرشتوں سے ملاتے

ہے ایسا ہی نغمہ نہانی مجزوار و ارح غیبر فانی

جب تک کہ یہ خاکِ تن میں روپوش

محروم ہے اس سے پردہ گوش



۸۔ تقدیسِ نغمہ

نغمے سے ساز ہستی جس شخص کا ہے عاری

ہوتی نہ جس پہ رقت ہو زیرِ وِلم سے طاری

غدر و قتال و سازش کے واسطے ہے موزوں

قلبِ سیاہ اُس کا ہے تیرگی میں شبِ گوں

ہر جذبہ مثلِ دوزخِ تاریک و تارِ اُس کا

اُس پہ نہ کر بھروسہ، کیا اعتبار اُس کا؟

۹۔ نصیحت

ہر ایک سے کیجئے محنت چند ایک پہ اعتبار لیکن
 دیجئے نہ کبھی کسی کو ایذا طاقت میں عدو کم نہ رہئے
 لیکن کیجئے نہ پیش دستی !
 احباب کو اپنے رکھتے دائم اپنے ہی حلقہٴ اثر میں
 یہ عجیب نہیں ہے مٹنے والے کم گوئی پہ معترض اگر ہوں
 لیکن ہے بری فضول گوئی !

متفرق

۱۔ وصل محبوب

اُس گوہر بے بہا کو پا کر ہو جاؤں گا اس طرح تو نگہ
 جس طرح کہ بیسیوں ہنڈر ہو بیت تمام جن کی گوہر
 پانی امرت ہو جن کا یکسر ہر ایک چٹان تودہ زر

۱۱۔ رنج میں راحت کا خیال

ہاتھوں میں اپنے آگ کو کس طرح لیجئے
 دل میں خیال کر کے ہمالہ کی برف کا

بیٹھے ہوئے خیالی پلاؤ پکائیے
 مٹتی ہے بھوک پیاس کہیں اس طرح بھلا
 چلنے نکل کے بڑبڑ زمیں میں برہنہ
 بھر لیجئے سر میں شدت گرما کی کچھ ہو
 راحت کا یوں خیال مصیبت میں، رنج میں
 کرتا ہے اور رنج و مصیبت کو جاں گزا

۱۲۔ صادق دوست کی پہچان

جو شخص فی الحقیقت ہے دوستدار تیرا
 جب وقت آپڑے گا ہوگا وہ یار تیرا
 جب تو اُداس ہوگا، آتشِ بھائی گاہ
 بے خواب تو اگر ہے، سونے نہ پائے گا وہ

القصہ تیرے دل پر جو غم کا بار ہوگا
 حصہ بٹا ہی لے گا، جو یارِ غار ہوگا
 ایسی نشانیوں سے کر لے تمیز تو اب
 یہ یارِ صادق، وہ یارِ مطلب

۱۳۔ قرائن

فلک پہ گھر کے جب ابرسیاہ آتا ہے
 تو اوڑھ لیتے ہیں دانا روائے بارانی
 خیالِ آئدِ سرِ ما کسے نہیں آتا
 چمن کو دیکھ کے مصروفِ برگ افشانی
 غروبِ سر پہ انکارِ آیدِ شب کو
 قزینِ عقل ہے کہے جو محض نادانی

جواہر و باد کے طوفاں اٹھ آئیں بے موسم
تو جان لو کہ ہے نزدیک قحطِ طولانی

۱۴۔ قسمیں کون کھاتا ہے

قسمیں کھاتے ہیں واعظانِ معبد کدوار سے مختلف ہے جن کی گفتار
یا کھاتے ہیں بزدلانِ بیکس قسمیں یا وہ جنہیں جانتی ہے دنیا عیار
یا وہ جو ہیں ناتواں دل و کم ہمت دانستہ جو رہتے ہیں مصائب کا شکار

قسموں سے سنائی جاتی ہیں باتیں

لوگوں کو سچائی سے جو جن کی انکار

۱۵۔ بحرِ حیات میں ایک رَو

موجِ رواں ہے بحرِ حیاتِ بشر میں ایک ہنگامِ مد اگر کوئی اُس پر سوار ہو

پہنچے وہ تابا سائل مقصودِ فخرِ می طوفانِ فتنہ زائے حوادثِ پیر ہو
لیکن طفیلِ طالع واژدوں جو چوک جائے تار و زمرگِ حسرت و غم کا شکار ہو

۱۶۔ جولیس سینر کی لاش پر

مارک انٹونی کی زبانی

اوصاحبِ اقتدار سینر پستی میں پڑا ہے تو زمیں پر؟
دہم فتح و ظفر وہ شان و شوکت دہم فقر و شکوہ و ادراج و صولت
وہ و معیت ترک تار و تاراج اتنے ہی میں میں سمٹ گئے آج؟

۱۷۔ القاب شاہی

نقطِ القاب شاہی عز و شان کے ظاہری عترت ہے غمہائے نہاں کے فاسطے
رکھتی ہے یتیم بان کو اک خیالی انبساط جو نہیں قابو میں ہرگز آنے والی انبساط

اے القاب تمہارے نام میں کیا فرق ہے فرق ہو بھی تو نمودِ ظاہری کا فرق ہے!

۱۸۔ بُزدلی

جو بُزدل ہیں وہ پہلے موت سے سو دفعہ مرتے ہیں
 دلاور ایک بار اس دھڑکنے سے گزرتے ہیں
 جہاں کی جن عجب باتوں کا مجھ سے ذکر کرتے ہیں
 یہ سب سے حیرت افزا ہے کہ اکثر لوگ ڈرتے ہیں
 نظرِ جب صاف آتا ہے کہ اک دن خاتمہ ہوگا
 وہ دن جب آئے گا آئے گا، حاصلِ ڈر سے کیا ہوگا

۱۹۔ دوستوں کی زبانی پیغامِ عشق

ہے دوستی معتمد بہر طور پر عشق کا ہے معاملہ اور

ہوا پنی باں سے اس کا اظہار اور آنکھ ہو اپنی برسرِ کار
عاشق کے لئے ہی ہے بیا یہ کام نہیں پیا مبر کا

۲۰۔ فضول خواہشات

بسکہ ہیں اپنے بدونیک سے ناواقف ہم ہوتے ہیں اپنی مصیبت کے طلبگار اکثر
التجا کرتے ہیں جب ہم تو ہمار غلی طر کار سازانِ قضا کہتے ہیں انکار اکثر
فائدہ تیرا سی بات میں ہے لے دل زار!
کہ چلی جائیں عائن نری بیکار اکثر

۲۱۔ غارِ زر

افعالِ زبوں کے زشت چہرے نفرت سے نظر نہ جن پہ پٹھرے
کل بیٹے ہیں جبکہ زر کا غار دیتے ہیں دکھائی خوب و تازہ

۲۲۔ تلقین صبر

تلقین صبر کرتا ہے یوں تو ہر ایک شخص
 پاتا ہے دوسروں کو وہ جب زیر بارِ غم
 رہتے نہیں ہیں پسند و مواعظ کسی کو یاد
 دل اپنا جبکہ ہوتا ہے وقفِ فشارِ غم

۲۲۔ طاقت اور استعمالِ طاقت

دیو کی طاقت بن انسان میں ہے
 بیگناہ سرِ پایہ سے افتخار
 اس کا استعمال لیکن مثلِ دیو
 آدمی کے واسطے ہے ننگ و عار

۲۴۔ شبنم

وہی شبنم جو غنچے پر مثال گو ہر غلطاں
 نظر آتی تھی اترائی ہوئی خود اپنی قسمت پر
 بزرگ اشک چشم شاہد گل میں نمایاں ہے
 کوئی ہوا شک یزاں جس طرح اپنی ندامت پر

۲۵۔ محنت اور عشرت

بالش سنگ بھی اگر مل جائے
 چین سے اُس پہ سوئی ہے محنت
 نرم ہو لاکھ بستر شجاب
 اُس پہ بے چین ہوتی ہے عشرت

۲۶۔ بدسرشت

ہے غذا جن کی بُغض اور عناد برسہا برس ہیں اک زمانے سے
وہ نہیں چُکے کسی صورت اچھے اچھوں کو کٹ گئے سے

۲۷۔ قدرِ شے

قدر ہم اسکی نہیں کرتے ہیں پُری پُری چیز جب تھی ہے اک پاس ہمارے موجود
ہاتھ ملتے ہیں، وہ جب ہاتھ سے جا چکتی ہے اپنے اوصاف کھا دیتی ہے ہو کہ مفقود

۲۸۔ کارِ احسن

ہوتا ہے چمک کے کارِ احسن یوں تیرہ جہاں میں جلوہ افکن
جس طرح کہ دُور تک ہے جاتا چھوٹے سے چراغ کا جھمکڑا

۲۹۔ لہو و بازی

سال بھر تعطیل بہر لہو و بازی ہو اگر
صورتِ کارِ گراں پھر لہو و بازی ہو و بھر

۳۰۔ اصلِ عادت

انساں کا یہی ہے رازِ فطرت
تکرارِ عمل ہے اصلِ عادت !

۳۱۔ بہارِ اُلفت

واورینا ! کہ بہارِ اُلفت
بے بقا صورتِ فصلِ گُل ہے

۳۲۔ حاصل زبان

وہ مرد جس کے دہن میں زبان ہے، مرد نہیں
اگر حسینوں کو اس سے نہ کر سکے تنغیر

۳۳۔ ادائیگی حق

حق اُس کا ادا ہوا سمجھ لو!
جاتے ہوئے مطمئن گیا جو!

۳۴۔ دُنیا کا سودا

جو دُنیا کے سودے میں ہیں دل لگاتے
وہ ہیں آخر کار نقصاں اٹھاتے

۳۵۔ خونِ گرم

جس شخص کی رگوں میں ہو خونِ گرم جوشاں
بیٹھا رہے وہ کیونکر مانتِ نقشِ بے جاں

۳۶۔ تلبیس

کیا عجب، بہرِ مدعا، شیطان
بن کے آجائے حافظِ قرآن

۳۷۔ آمدِ غم

پئے بہ پئے آتے ہیں بے طرح جب آتے ہیں غم
دوسرا رکھتا ہے، جب ایک اٹھاتا ہے قدم

۳۸۔ غم

غم سے اکثر ٹوٹتا ہے وقت و موسم کا نظام
شام ہو جاتی ہے صبح اور صبح ہو جاتی ہے شام ✓

۳۹۔ تکلف

جبکہ انداز محبت میں زوال آتا ہے
طویر اخلاص تکلف سے بدل جاتا ہے!

یادِ رفتگان

خوابِ جہانگیر

شرذہٴ عیشِ نسیمِ سری لائی ہے
 دوشِ بردوشِ صبا نگہِ گل آئی ہے
 بزمِ قدرت میں عجب شانِ دل آباہی ہے
 وقتِ مینوشی ہے اے شاہِ گمنا چھلنی ہے
 منتظرِ محفلِ عشرت ہے شہا! جاگ کہیں
 ادِ صبحی کشِ مستانہ ادا جاگ کہیں

مستی انگیز ہے کیا حسنِ شبابِ راوی
 مست بخود ہیں کہ آبی ہے نقابِ راوی
 جاگ! تجھ بن ہے نگوں جامِ جبابِ راوی
 جوئے مئے کر دے رواں جو ہو جوابِ راوی
 موج دریا ئے طرب موجبہ صہبہا ہو جائے
 پارِ مستوں کا ترے نام سے بیڑا ہو جائے
 جاگ! اے شاہِ جہانگیر! جہاں بخش جہاں
 اے شہِ ملکِ سخا! طبل و نشان بخش جہاں
 جاگ! اے جانِ جہاں! روحِ درواں بخش جہاں
 کہ ترا جلوۂ دیدار ہے جاں بخش جہاں
 ایک عالمِ پئے دیدار چلا آتا ہے
 درِ دولت پہ جہاں تیرے کچھا آتا ہے!

آہ! طاری ہے یہ کیا خواب گراں متوالے!
 نہیں مستجابِ رحمت کی فغاں متوالے!
 کس تصور میں ہے! پھرتا ہے کہاں متوالے!
 دیدہ خلق سے کیوں ہو کے نہاں متوالے!
 چھوڑ کر تختِ شہی زیرِ زمیں جا سویا
 بدلی کر دٹ بھی نہ صدیوں سے یہ اچھا سویا!
 تختِ شاہانہ پہ وہ جلوہ نمائی تیری
 ہائے او نطلِ الہی! تھی خدائی تیری
 چل بسی ساتھ ترے عدلِ روائی تیری
 رمل گئی خاک میں زنجیرِ طلائی تیری!
 عدل و انصاف کا تیرے ہے فسانہ باقی
 تو ہی باقی ہے نہ اب تیرا زمانہ باقی!

تودہ تھا مست کہ تجھ سا کوئی ہشیار نہ تھا
 خلقِ خالق سے ہو غافل، تودہ میخوار نہ تھا
 عہدِ میموں میں ترے کوئی بھی نادار نہ تھا
 دُورِ مے تھا، ستم گردِ اُدوار نہ تھا
 جبکہ مے خانہ سے مستوں کی دُعا اُٹھتی تھی
 آپ انگور لے ساتھ گھٹا اُٹھتی تھی!
 تُو نہیں ملک میں لیکن تری شوکت ہے دُہی
 سپہنہ دشمن بدکیش میں ہیبت ہے دُہی
 دُہی رنگت تیرے پھولوں میں ہے نگہ تیرے دُہی
 بعدِ مُردن بھی ترے نام کو عزت ہے دُہی
 کہ تری خاک زیارت کدہِ عالم ہے
 تَرَبَّتِ پاک زیارت کدہِ عالم ہے!

نُورِ جہاں کا مزار

دن کو بھی یہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے
 کہتے ہیں یہ آرام گاہِ نورِ جہاں ہے
 مدت ہوئی، وہ شمع تہِ خاک نہاں ہے
 اٹھتا لکڑیاب تک سہرِ مرقد سے دھواں ہے
 جلووں سے عیاں جن کے ہوا طور کا عالم
 تربت پہ ہے اُن کی شبِ دیسجور کا عالم !
 اے حُسنِ جہاں سوزِ اکماں ہیں وہ شرارے
 کس باغ کے گل ہو گئے؟ کس عرش کے تارے؟

کیا بن گئے اب کر مکِ شبنامِ مکتے؟
 ہر شام چمکتے ہیں جو راوی کے کنارے
 یا ہو گئے وہ داغِ جہانگیر کے دل کے؟
 قابل ہی تو تھے عاشقِ دلگیر کے دل کے!
 تجھ سی ملک کے لئے یہ بارہ درہی ہے
 غالیچہ سرفروش ہے کوئی، نہ درہی ہے
 کیا عالم بے چارگی اے تاجوری ہے
 دن کو ہیں بسرام، ہیں شب ب سری ہے
 ایسی کسی جو گن کی بھی کٹیا نہیں ہوتی
 ہوتی ہو، مگر یوں سرِ صحرا نہیں ہوتی
 تعویذِ لحد ہے زبردِ زیر، یہ اندھیرا!
 یہ دورِ زمانہ کے اُلٹ پھیر، یہ اندھیرا!

آنگن میں پڑے گرد کے ہیں ڈھیر یہ اندھیرا
 اے گردِ شاہِ ایام! یہ اندھیرا یہ اندھیرا
 ماہِ فلکِ حسن کو یہ بُرج ملا ہے
 اے چمنِ ترے حُسنِ نوازش کا گلا ہے
 حسرت ہے ٹپکتی در و دیوار سے کیا کیا!
 ہوتا ہے اثرِ دل پہ ان آثار سے کیا کیا!
 نالے ہیں نکلتے دلِ افکار سے کیا کیا!
 اُٹھتے ہیں شرِ آہِ شرِ بار سے کیا کیا!
 یہ عالمِ تنہائی یہ دریا کا کنارہ
 ہے تجھ سی حسینہ کے لئے ہو کا نظارہ!
 چوپائے جو گھبراتے ہیں گرمی سے تو اکثر
 آرام لیا کرتے ہیں اس روضے میں آگر

اور شام کو بالائی سیہ خانوں سے شپہر
 اڑاڑ کے لگاتے ہیں دردِ بام پہ چکڑ
 معمور ہے یوں محفلِ جانانہ کسی کی
 آباد رہے گویہ غریبانہ کسی کی!
 آراستہ جن کے لئے گلزار و چمن تھے
 جو ناز کی میں داغِ وہِ برگِ سمن تھے
 جو گلِ مخِ دگلِ پیرہن و غنچہ دہن تھے
 شاداب گل ترسے کہیں جن کے بدن تھے
 پژمردہ و دگلِ دب کے ہوئے خاک کے نیچے
 خوابیدہ ہیں خار و خس و خاشاک کے نیچے!
 رہنے کے لئے دیدہ و دل جن کے مکاں تھے
 جو پیکرِ ہستی کے لئے روحِ رواں تھے

محبوب دل خلق تھے، جان بخش جہاں تھے
 تھے یوسف ثانی، کہ مسجائے زماں تھے
 جو کچھ تھے، کبھی تھے، مگر اب کچھ بھی نہیں ہیں
 ٹوٹے ہوئے پنجر سے پڑے زیرِ زمیں ہیں!
 دُنیا کا یہ انجام ہے، دیکھ اے دلِ ناداں!
 ہاں بھول نہ جائے تجھے یہ مہن و میاں
 باقی ہیں نہ وہ باغ، نہ وہ قصر نہ ایواں
 آرام کے اسباب نہ وہ عیش کے ساماں
 ٹوٹا ہوا اک ساحلِ راوی پہ مکاں ہے
 دِن کو بھی جہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے!

مرزا غالب

رسائی سے پرے ہے فکرِ رفعتِ گزینِ تیری
 ہمارے آسمانوں سے بہت اونچی زمیں تیری
 ترا ہر شعرِ شرحِ دستِ رمزِ نہانی ہے
 نوائے سازِ فطرت ہے صدائے دلنشینِ تیری
 "خس ایں بیشہ پہلو میدرد آتش سواراں را"
 رُفِ ستمِ سخن میں پیرویِ آساں نہیں تیری
 اگر ہو آسمانِ شعر پر رخشاں تری صورت
 صفائیِ پاک کے ممکن نہیں ماہِ ہمیں تیری
 کہاں زیبا ہے تیرے عشق کو عشقِ بتاں کہنا
 سمجھ ہی جب نہیں سکتے زباں ہرگزِ جیس تیری

نہ وہ ساغر، نہ وہ ساقی، نہ وہ میخانہ ہے باقی
 مگر جو شاں ابھی تک ہے شرابِ تشیں تیری!
 تیری رُوداد اہل دل کو ہے فردوسِ گوشِ ایتک
 وہ دلی میں تیری دھو میں، وہ بزمِ آخریں تیری
 مُرقعے حُسنِ پنہاں کے جو تُو نے کھینچ ڈالے ہیں
 عجائب خانہ افکار میں سب سے نرالے ہیں!
 فلکِ پیما تخیل کو ملا جب اوجِ تاروں کا
 ہوا آئینہ عالمِ آسماں کے پردہ داروں کا
 تعجب کیا کہ اٹھ سکتا نہیں اپنی نزاکت سے
 یہ پردہ شاہدِ معنی کے رُخ سے استعاروں کا
 قصیدہ گوئی میں بھی شانِ خودداری رکھی قائم
 تائشِ گرہِ ہوا اک آن سے تُو تاجداروں کا

بُوئے عشق حقیقی داغِ دل سے تیرے آتی ہے
 بظاہر گو نظر آتا ہے سودا ماہ پاروں کا
 جگر کو کھود کر وہ شاہدِ رعنا ترا شے ہیں
 ہوا پھر تازہ فقتہ کو کہن اور کو ہساروں کا
 ادائے خاص سے تو نے صلائے عام دی سب کو
 رہا پھر بھی نگہِ محبوبِ دل معجز نگاروں کا
 ترا مضمونِ فصلِ گل پڑھے صحرا میں گرہ کوئی
 نظر آئینہ دار آئے ہر اک ذرّہ بہاروں کا
 تنائش گرہ ہے واعظ اس قدر جس باغِ رضواں کا
 وہ اک گلہ سستہ ہے تیرے تخیل کے گلستاں کا



نوحہ و فاقہ سرور

دل پہ بیٹھا آ کے پھر تیر جھائے آسماں
 لے گئی کس کو اٹھا کر آہ! مرگِ ناگماں
 ہر طرف چھایا ہوا ہے کیوں خموشی کا سماں
 بزمِ مستی سے ہجئے رخصت سرورِ غمشِ بیاں
 آہ گلچینِ اجل سے کیسی نادانی ہوئی
 پھول وہ توڑا کہ گلشنِ بھریں ویرانی ہوئی!
 آہ! اُس عالم سے تھی تجھ کو بہت وابستگی
 دل میں تیرے تھی ہمیشہ آرزو پر وازگی
 یہ زمینِ پست رہنے کے تیرے قابل نہ تھی
 رُوحِ تیر سی رہ نوریِ عالمِ بالا رہی

تُو تو پہنچا اپنے گھر، لیکن ہمارا کیا علاج !
 کچھ بتانا تھا ہمیں بھی دردِ فرقت کا علاج !
 آرزوِ جنت کی تھی؟ ہندوستان کچھ کم نہ تھا
 سیرِ شاعر کے لئے یہ گلستاں کچھ کم نہ تھا
 گنگا جمنہ کے مناظر کا سماں کچھ کم نہ تھا
 زفرم و کوثر سے یہ آبِ رواں کچھ کم نہ تھا
 ہند میں سماں تھے سارے جنت الفردوس کے
 کس لئے ترکِ وطن کا پھر خیال آیا تجھے؟
 گلشنِ ہستی سے تُو گرا ئیل پر واز تھا
 نغمہ ہائے دلنشین کا چھیڑنا کیوں ساز تھا
 آہ! تو قدرت کے رازوں کی طرح اک راز تھا
 تیری ہستی پر ہمیں اسے دے! کتنا ناز تھا

باعثِ وحشت ہوئی ہے تیری روپوشی ہمیں
ماہلِ فریاد کرتی ہے یہ خاموشی ہمیں!

کیٹس اور شیلے پہ کی تھی نوحہ خوانی ہائے

اُن کی پُر غم داستانِ تیری زبانی ہائے

وہ دلوں کے دلولے، وہ نوجوانی ہائے

اور پھر دونوں کی مرگِ ناگمانی ہائے

جامِ ستجھ کو ساتیٰ دوراں نے ویسا ہی دیا

ہائے! ظالم نے بھری محفل کو تڑپا ہی دیا!

شاعرانِ خوش بیاں ہیں اور کئی ہونگے یہاں

فکرِ عالی بھی نہیں کمیاب زیرِ آسمان

اے کیٹس اور شیلے انگلستان کے دو جوانا مرگ شاعر۔ دونوں اٹلی میں فوت ہوئے

(محرّم)

سرور مبرور نے اپنی نظم میں ان پر نوحہ سرائی کی ہے۔

حُسنِ دالفت کی بھی سُننتے جائینگے ہم داستان
 نل دمن کا بھی نکل آئے گا کوئی تڑجھاں
 شعر کو دے گا مگر خونِ جگر سے رنگ کون؟
 حُسنِ فطرت کے دکھائے گا ہمیں ارژنگ کون؟
 تیرے ماتم میں ہے ساری بزمِ قدرت سو گوار
 روتے ہیں گنگ دجین مل کر گلے زار و قطار
 لالہ خونیں جگر ہے سوزِ غم سے داغدار
 خاک اڑتی پھرتی ہے ہر کچ میں بادِ بہار
 کھول کر زلفیں نہ روئے کیوں عروسِ برشگال
 کون ہے اب آہ! تجھ سا داصفِ حُسنِ جمال
 شاہدِ گل اپنے جوین کو اُبھارے کس لئے
 سنبلِ صحنِ چمن گیسو سنوارے کس لئے

لہماتے سبزہ نہروں کے کنا سے کس لئے؟
 سین اب دکھلائے قدرت پیارے پیارے کس لئے؟
 لالہ سا غریبوں بھرے جب کوئی متوالا نہ ہو
 کیا ضرورت حسن کی جب دیکھنے والا نہ ہو! ✓
 کیا نہ اب ہوگا ترنم ریز تو سانوں میں بھی؟
 گنگنائے گانہ عید رونق گلشن میں بھی؟
 کیا نہ ہوگا شامل اب بلبل کے توشیوں میں بھی؟
 لالہ صحرا سے بولے گانہ ہرگز بن میں بھی؟
 کیا ہمیشہ کے لئے توبے صدا ہو جائے گا!
 سازِ دل بیگانہ رنگ نوا ہو جائے گا!
 تیرے اُن ناویدہ مشتاقوں میں یہ محروم تھا
 جن کا دل تیری جدائی میں سدا مغموم تھا

تیرے دل میں اُذر کچھ ہے یہ کسے معلوم تھا
 آہ تو بھی اک طلسم ہستی ہو ہوم تھا
 دل میں حسرت رہ گئی پہلو میں ارماں رہ گئے
 اٹھ چلا تو اور اہل بزم حیراں رہ گئے !
 جس طرح فلک پر کوئی مرغِ خد شہنوا
 دامنِ ابر بہاری میں ہو چھپ کر گاہ رہا
 صُننے والا ہر گھڑی ہو آنکھ اٹھا کر دیکھتا
 شہرِ مرغِ نظر لیکن ہو اُس تک نارسا
 ہم یونہی دیدار کو تیرے ترستے رہ گئے
 دیدۂ مشتاق کے بادل برستے رہ گئے

غَمِ نادر

۲۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو منشی نادر علی خاں نادر کا کوروی نے جہان فانی سے رحلت فرمائی۔ مرض الموت خناق بیان کیا گیا ہے۔ فوجہ کے دوسرے شعر میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

کلامِ نادر میں ایک دلکش خصوصیت ہے۔ اعلیٰ جذبات شاعرانہ کا اظہار دلپذیر الفاظ میں کچھ ایسے جِدّت آمیز طور پر فرماتے ہیں کہ شعر تیر و فشر کا کام کر جاتے ہیں۔ اور محض جذبات ہی نہیں، پڑھنے والے ایک روحانی لذت ملتی ہے۔ اور پاکیزہ سبق حاصل ہوتا ہے (معوذم)

مرگِ نادر کی خبر کاش نہ آئی ہوتی

باعثِ گم رہ نہ پوچھو، نہ سنائی ہوتی!

اک چمکتی ہوئی بلبُل کا گلا یوں گھونٹا

ہائے ادموتِ بے تحجے موت ہی آئی ہوتی،

کیسا اندھیر ہے اے بادِ فنا کے جھونکو
 آہ! یہ شمع تو تم نے نہ بجھائی ہوتی
 او فلک! اور بھی تادر کو تو جینے دیتا
 کونسی اس میں بھلا تیری برائی ہوتی
 کب سے ہیں ناکش جورِ فنا و معصوم
 ان غریبوں کی فغاں کی شنوائی ہوتی
 ندرت آمیز یہ تصویرِ تحنیل افسوس!
 دستِ بیدادِ اجل نے نہ مٹائی ہوتی
 ہند میں آج تھا تو موجبِ فوطرِ سخن،
 کوئی دن اور تری تازہ نوائی ہوتی
 تیرے جذباتِ مصفا تھے جواہرِ نادرا
 کوئی دن اور بھی دولتِ یہ لٹائی ہوتی

ابھی تازہ تھا غمِ رحلتِ آزاد و سرور
 ترے سر میں تو سفر کی سیمائی ہوتی
 مرنے والے جو بہ تعداد بڑھے جاتے ہیں
 داغِ تیرے دلِ ناشاد بڑھے جاتے ہیں
 گلشنِ بہشت کی رونق تھا ترانہ تیرا
 کون سے گنج میں اب ہو گا ٹھکانا تیرا
 دیر تک تجھ کو نہ بھولینگے زمانے والے
 گو بسر ہو گیا یوں جلدِ زمانہ تیرا
 روئینگے خمِ کدہٗ شعر میں آنے والے
 چھیڑے گا پیرِ مغاں جبکہ فسانہ تیرا
 ساغرِ نود میں مئے کہنہٗ سرمد کی جھلک
 برقی شعلوں میں وہی سوز پرانا تیرا

ٹوٹے گل پھانم کے دیوارِ گلستان نکلی
 بس یہی گلشنِ ارماں سے ہے جانا تیرا
 زمرہِ سنجِ گلستانِ ارم ہو اب تو
 یا اسی باغ میں پھر گونجے ترانا تیرا
 چشمِ ظاہر سے تجھے دیکھ نہیں سکتے ہم
 اے کہ! تھا عیدِ احبابِ نظر آتا تیرا
 کارِ سازاں کہ پر اسرارِ زبانت دادند
 صرِ خاموشے حسرت بہ لبانت دادند

اے نادرِ مرحوم کا اپنا شعر ہے:-

کارِ سازاں کہ پر اسرارِ زبانت دادند
 مہرِ خاموشے حسرت بہ لبانت دادند

نوح

پھول تو دو دن بہارِ جانفرا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جوین کھلے مر جھاکئے

ویر بھان ایک نہایت ہو نہار لڑکا تھا دس بارہ سال کی عمر
تھی چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا چھپک نکلی اور امتحان کے دن ٹلک
بقا کو روانہ ہوا۔ محروم کے دل پر صدمہ ہوا جس کا اظہار اشعار ذیل میں کیا گیا

آج بلدِ مدر سے پہنچ اے ویر بھان! آج
تجھ کو خبر نہیں ہے کہ ہے امتحان آج
ہیں آئے بیٹھے کب سے تیرے ہم سبق یہاں
آنا بھی تھا سویرے کہ ہے روزِ امتحان

اتنی تو دیر کرنے کی عادت نہ تھی تجھے
 کچھ غیر حاضری سے محبت نہ تھی تجھے
 تو سب روز پہلے ہیچتا تھا مدرسے
 کیوں گھر پہ آج رہ گیا کیا ہو گیا تجھے؟
 کھولی نہیں ہے کیا ابھی خوابِ سحر سے آنکھ
 سورج دکھا رہا ہے مریجاں ادھر سے آنکھ
 اٹھ آنے والی رات پہ غفلت کو ٹال تو
 اب مدرسے کا وقت ہے جُزداں سنبھال تو!
 اے دیر بھان! آج تو بے طور نیند ہے
 تجھ کو عبث جگاتے ہیں یہ اور نیند ہے
 افسوس! تو تو اور ہی خوابِ گراں میں ہے
 ہے رُوح اُس جہاں میں جسداں جہاں میں ہے

چپک نے آہ! تجھ کو پیامِ قضا دیا
 ہم کس طرح جگائیں؟ اجل نے سُدا دیا
 گھڑیاں کی صدا بھی نہ تجھ کو جگا سکی
 بانگِ طیورِ صبح نہ کچھ کام آ سکی
 کیسی گھڑی میں آہ! تجھے آئی سیتلا
 اے کاش! کرتی رحم بھی کچھ مائی سیتلا
 یوں ناشگفتہ غنچے کوئی توڑتا نہیں
 گلچینِ مرگ آہ! مگر چھوڑتا نہیں
 ہے ہے! عذابِ موت کا ننھی سی جان پر
 دیکھے سے جس کے پھٹتا ہے مانِ پکا جگر
 اُمید بھی ہے یاس کے زخمِ نہاں بھی ہیں،
 مطرفِ چارہ سازی بھی ہیں نوحہ خواں بھی ہیں

تقدیر اُلٹ گئی کہ دوا میں اثر نہیں،
 افسوس اب علاج کوئی کارگر نہیں!
 بیٹھی ہے موت تاک میں بچے پہ وار ہے
 اب کیا رہا کہ تیر کلیجے کے پار ہے
 اتک بھی ہے یہ وہم کہ رُو کھٹا ہو ا نہ ہو
 شانہ بلا رہے ہیں کہ سویا ہو ا نہ ہو
 پر بولنا محال ہے اب ویر بھان کا
 واقف نہیں رہا وہ ہمارے جہان کا
 پڑھ کر یہاں خموشے جاوید کا سبق
 ہے دیکھتا کتاب بقا کا ورق درق
 تسمے سے دل میں آہ اودہ طوفانِ فوقِ علم
 پہلو میں لیگیا ہے تو اربابِ ذوقِ علم

وہ دل فزا اُمیدیں دہ بچپن کے دلوں
 تیرے یہ غمگسار، ترے ساتھ اٹھ چلے،
 اے آہ بچنے کی وہ معصوم حسرتیں!
 معدوم ہو گئیں تری موہوم حسرتیں
 طے ہو گئیں وہ تیری خیالی ترقیان
 وہ عمر کے مدارج عالی، ترقیان!
 وہ بھولی بھالی شکل ہے آنکھوں کے روبرو
 کمرے میں پھر رہی ہے وہ تصویر ہو ہو!
 ابھرا ہوا وہ ماتھا، وہ آنکھیں غزال سی،
 اور اُن پہ ابروؤں کی سجاوٹ ہلال سی
 آیا ہوا لبوں پہ تبسم ذرا ذرا
 وہ تو تلی زباں کا تکلم ذرا ذرا

بچپن کی شوخیاں وہ ادب سے رُک رہی ہوئیں
 ہر وقت وہ کتاب پہ آنکھیں جھکی ہوئیں
 لمبے اودہ تیری ظاہر و باطن کی خوبیاں
 بچتے نہیں وہ ہوتی ہیں یہ جنگی خوبیاں
 ہونا ہی تھا جُدا، کہ ہمیں تجھ سے پیار تھا
 مرنا ہی تھا تجھے کہ بہت ہونا ہمارا تھا!

نوح

بروفاتِ حسرت آیاتِ جنابہ
لیڈی ہارڈنگ صاحبہ آنجنہانی

لنڈن بری ساعت گئی، افسوس لیڈی ہارڈنگ!
واپس نہ واں سے ہو سکیں، افسوس لیڈی ہارڈنگ!
یہ موت ہے درد آفریں، افسوس لیڈی ہارڈنگ!
ہیوقت دُنیا سے اٹھیں، افسوس لیڈی ہارڈنگ!
اے موت کیا آنکھیں نہ تھیں، افسوس لیڈی ہارڈنگ!

جیسے چمن میں ہو کوئی پھولی پھلی شاخِ چمن
 ہو دیکھنے والے کو فردوسِ نظر جس کی پھبن
 خوشبو و آب و تاب میں مشکِ ختن دُرِ عدن
 بجلی گرے اس پر یکایک، جیف اے چرخِ کہن
 اے آسماں! یہ طرزِ کیں، افسوس لیڈی ہارڈنگ!
 اوصافِ دلکش سے زمانے کو مسخر کر لیا
 اور فتحِ دل کے ملک کو بے تیر و خجہ کر لیا
 آتے ہی سارے ہند کو اپنا سراسر کر لیا،
 دل میں ہر اک چھوٹے بڑے کے تونے جب گھر کر لیا
 پھر کیوں گئی زیرِ زمیں، افسوس لیڈی ہارڈنگ!
 مغرب میں ایسی کب ہوئی دیوی پتی برہما کوئی
 پروانہ شمع و فادیکھیں جو ہو تجھ سا کوئی

دے گا فلک نعم البدل تیرا نہ اب اصلا کوئی
 لینا تھا ظالم موت نے ایسا ہی کیا بدلا کوئی
 شوہر کہیں، بچے کہیں، افسوس لیڈی ہار ڈنگ!
 دلی میں جس دم دار اپنا کر چکی تقدیر تھی
 جب تھے ہر اس میں مردوزن اور یاس دمنگیر تھی
 اس وقت لیڈی ہار ڈنگ! تو صبر کی تصویر تھی
 کیا مایہ تو قیصر تھی، کیا صاحب تدبیر تھی
 دنیا میں لیکن اب نہیں۔ افسوس لیڈی ہار ڈنگ!
 صدمہ ہے بیشک جاں گسل اے نائب شاہ جہاں!
 لیکن قضا سے چارہ کیا، لے چارہ بچپار گاں
 حاکم ہو تجھ سانیکدل اور یہ صلہ دے آسماں
 ٹہنے کی گر ہو چیز غم، تو بائٹ لے ہندوستان

ہندی ہیں سب ماتم نشین افسوس لیڈی مارڈنگ

ماتم طالب

نوحہ وفات نشی و نائک پرشاد

طالب بنارسی

خلوت گرہ عدم سے اسے واسے اہم توجہ سے
 اس منزل فنا میں محسوس زار آئے
 چلتے رہے جگر پر ہر روز غم کے آسے
 تیغِ اَلَم کے چر کے دل پر ہزار آئے
 گلچیں تھے ہم بھی اچھے اس گلشنِ جہان میں
 ریحانِ دگل کے بدلے دامن میں خارا آئے

جب گوہر مسرت کی آرزو ہوئی ہے،
 آنکھوں سے تابہ دامن اشکوں کے تار آئے
 پامال ہو چکے ہیں سارے نہالِ ارماں
 اپنی بلا سے، جائے یا اب بہار آئے
 داغوں پہ داغ کھانا تیرے نصیب میں ہے
 کس طرح قلبِ مضطرب! تجھ کو قرار آئے
 الٹا ہے یہ مقدر ہو جائے نالہٗ غم
 کانوں میں اپنے جب تک صوتِ ہزار آئے
 ”در محفلے کہ یاراں شربِ مدام کر دند
 چوں نوبتے بماسشد، آتشِ بجام کر دند“
 ایدل! کہ ہر چلا ہے تسکین کی آرزو میں
 بزمِ سخن کی جانب، بزمِ سخن میں کیا ہے!

اُٹھ کر چلے گئے ہیں اہل سخن وہاں سے
 محفل اُجڑ چکی ہے، نقشہ بگڑ چکا ہے؟
 آرام کر رہے ہیں خاکِ دکن میں دونوں
 کیا ذوقِ دید تجھ کو داغِ دایمِ سہکا ہے؟
 آزاد اور حَسّالی ملکِ سخن کے والی
 کیا یاد اُن کا مرنا تجھ کو نہیں رہا ہے؟
 نادر۔ سرور۔ افق بھی کل تک سخن سرائے تھے
 مجلس میں آج اُن کی سناٹا چھارہا ہے؟
 لے اور داغِ تازہ طائب بھی چل بسے ہیں
 کہرامِ مہبئی میں چاروں طرف بپا ہے؟
 نظار گئے حُسنِ قدرت کے غم میں کیا کیا
 دے دے کے سرِ سمندر ساحل پہ مارتا ہے

نامِ جنابِ طالبِ عزّتِ سخنوروں کی
 بزمِ سخن کی وقعتِ رونقِ تھیٹروں کی
 تا صبحِ روزِ محشر تابندہ ہو رہیگا
 یہ ہے وہ داغِ سوزاں اے لالہ زارِ ہستی
 بزمِ سخن سے گرمی کا فور ہو گئی ہے
 افسوس! بجھ گیا ہے کس کا شرارِ ہستی
 دل ہو گیا مکدر اے طالبِ اک جہاں کا
 دامن سے جھاڑ نکلا جب تو غبارِ ہستی
 معنی پذیر تجھ کو خالق نے دل دیا تھا
 تھی تیری طبعِ روشن آئینہ دارِ ہستی
 وہ زندہ دل مسافر کس سمت کو گیا ہے
 ملکِ عدم کدھر ہے! اے رہگذارِ ہستی!

گل سے کہا چمن میں ٹبل نے کچھ سنا ہے
 تاراج کر کیا ہے کوئی بہارِ ہستی،
 چاکِ جگر دکھا کر گل نے کہا کہ غم سے
 خوں کر چکا ہوں دل تو میں دلِ فگارِ ہستی
 جب تک کہ ہے جہاں کو ذوقِ کلام طالب
 زندہ رہیگا تیرا دُنیا میں نام طالب

نوختہ چکبست

پیازِ مینِ سخن پر ہے محشرِ شیوں
 گرا ہے آج کوئی آسمانِ اوجِ سخن !
 اماں کسی کو نہیں یُو تُو زیرِ چرخِ کہن
 فلکِ بلندِ خیالوں کا خاص ہے دشمن
 تلاء ہے جو ہر عالی کو پست کرنے پر
 دیا نجوم کو بھی ڈوبنا ابھرنے پر
 سخن طرازوں میں چکبستِ بيمثال رہا
 شہیدِ جلوہٴ معنی وہ خوشِ خصال رہا

متاعِ سوزِ قدیمی سے مالا مال رہا
 کہ شمعِ انجمنِ دانش و کمال رہا
 مٹا دیا اسے سفاک نے مٹانا تھا
 کہ زد پہ تیرا جسل کی بڑا نشانہ تھا!
 خموش اگرچہ ہوا وہ فداے حبِ وطن
 ہوا میں گو بختے ہیں نغمہ ہائے حبِ وطن!
 نہ کیوں مناظرِ حسرت دکھائے حبِ وطن
 کہ ماتی ہے سوا و فضلے حبِ وطن!
 وطن کو تیری ضرورت تھی آہ! اے چلبست
 چلا ہے۔ لیکن عدم کی تو راہ، اے چلبست!
 دلوں کو اُس نہانی تھا نام سے تیرے
 تڑپ تڑپ گئے جو شش کلام سے تیرے

کوئی نہ تشنہ رہا فیضِ عام سے تیرے
 بقدرِ ذوقِ ملی سب کو جام سے تیرے
 دکھا کے معنی پر نورِ مے پرستوں کو
 مئے سخن سے کیا ہوشیار مستوں کو!
 سخنوری کا تری سب سے ہے جدا آئین
 سخن کو رنگِ حقیقت سے کر دیا رنگیں
 اگر ہیں شعرِ نفاست میں تیرے لعبتِ جمیں
 تو شانِ و قرین کوہِ گراں سے ہیں سنگیں
 ملا جو فیضِ ازل اس کی قدر کی تو نے
 نیا وقار لیا تجھ سے نظمِ اُردو نے
 ہر ایک شعر ہے صدق و صفا کا آئینہ
 ہر ایک لفظ ہے حُسنِ ادا کا آئینہ

بیاں ترا ہے دلِ حق نسا کا آئینہ
 وطن پرستی و مہر و وفا کا آئینہ!
 وہ جوت قلبِ مصفا میں تیرے روشن تھی
 کبھی جو دادے گنگا میں عکس افکن تھی!
 کہیں ہیں گنگ و جمن کی روانیاں دلکش
 کہیں ہمالہ کے دامن کا ہے سماں دلکش
 کہیں ہے گائے کی توصیفِ لستانِ دلکش
 ہر ایک نظمِ دل افزا۔ ہر اک بیاں دلکش
 کہیں ہیں گلشنِ کشمیر کی وہ تصویریں
 اداے حورِ جہناں کی ہیں جنہیں تاثیریں!
 زباں پہ جب کبھی آتا تھا لکھنؤ کا نام
 تو اس خیال سے ہوتا تھا خوشِ دلِ ناکام

کبھی تو آئینگی ایسی سعادتِ ایام
 پلینے حضرت چکبست سے بشوقِ تام
 ملیں گے اب بھی مگر آہِ اکبہ کہاں ہو کر؟
 یہ راز اپنی نگاہوں سے ہے نہاں یکسر!

ما تم گرامی

تصویرِ درد و حسرت مریخ و مریخ ہے آج
 ما تم میں آہ! کس کے عروسِ سخن ہے آج
 لٹتے تھے جس میں یادِ شیراز کے سبو
 عبرتِ فزا اُجڑ کے - وہ بزمِ کہن ہے آج!
 دنیاے شاعری میں کب آیا تھا یوں نظر
 یہ ماتمی سکوت جو قفلِ دہن ہے آج
 اور نگِ خسروئے سخن سے اٹھا ہے کون
 سامانِ شعر بندش "گور و کفن" ہے آج!

بزمِ سخن سے کون روانِ سخن گیا
 جو بیتِ شاعر و نکی ہے بیتِ لکھن ہے آج
 نعموں کو آہ! موت نے شیوں نے بنا دیا
 لبریزِ آہ و نالہ فضاے وطن ہے آج
 ماتم کا شور کشورِ پنجاب سے اٹھا
 راہی وطن سے کون سا فخرِ وطن ہے آج
 فرشِ زمیں پہ کیوں صفِ ماتم کا ہے گماں
 رحلت سے کس کی ایک جہاں نالہ زن ہے آج
 فطرت کو بھی ہے شاعرِ رنگیں بیاں کا غم
 وقفِ خزاں بہارِ گل و نسترن ہے آج
 ہر سمت بھرتی پھرتی ہے آمینِ نسیم صبح
 ماتم کی لے میں نالہ مرغِ چمن ہے آج

ہندوستان تمام غزاخانہ بن گیا
 پنجاب سے وُفورِ الم تا دکن ہے آج
 نذرِ اجل ہے جانِ گرامی ہزار حیف!
 رخصت ہوا وہ شاعرِ نامی ہزار حیف!
 خاموش ہو گیا غزلِ فارسی کا ساز
 بزمِ سخن سے اب نہ اُٹھیلگی نوائے راز
 اے یادگارِ حافظ و غنی! کہاں ہے تُو
 اب ہم کریں گے کس کے کمالِ سخن یہ ناز
 وہ سوزِ تشنگی کو بھجائیں کس جگہ
 ہے جن کے دل میں ذوقِ شرابِ جگر گداز
 پر تو سخن میں تھا ترے حُسنِ قدیم کا
 تھے غرقِ حُسنِ تیری حقیقت - ترا مجاز

کی سیر اور ج دل تری فکر بلند نے
 حق نے دیا تھا تجھ کو عجب ذوق سرفراز
 سوزِ نگ سے سنائی ہے تو نے حدیثِ دوست
 جاں بخش ہر کسائیہ ہے مثلِ نگاہِ ناز
 حسنِ غیورِ نوحہ کرے آج تو مجباً
 زیبا ہے نالہ کش ہوا اگر عشقِ پاکباز
 عالم کو تو نے قدر شناس سخن کیا
 کیوں نوحہ گر نہوں شعرائے سخن طراز
 ایسی ہی تھی کشش کوئی باغِ نعیم کی؟
 جس نے کیا وطن کی محبت سے بے نیاز
 اس ضعف میں کیا یہ سفرِ اختیار کیوں؟
 سنتے ہیں راہِ ملکِ عدم ہے بہت دراز

تجھ کو اٹھا کے عالم بالا میں لے گئے
 تھا قدسیوں کو ذوقِ نوا ہائے دلنواز
 اپنے وطن میں آہِ اِگرا می نہ آئے گا
 شاہِ دکن کا شاعرِ نامی نہ آئے گا

قطعہ تاریخ

(بروفات لالہ بیسی رام شاطر)
 محرومِ طفیلِ اتحادِ معنی
 نادیدہ رفیق تھا ہمارا شاطر
 دل بیٹھ گیا و فور بارِ غم سے
 جب ہم نے سنا جہاں سے اٹھا شاطر

خوش خلقِ عزیزِ خاطرِ یکِ عالم
 یارِ شاطر۔ وفا کا پُتلا شاطر!
 غربت میں لیا عَدَم کا تو نے رستہ
 یارِ اِن وطن سے کیا خفا تھا شاطر!
 ہو کیوں نہ بساطِ شاعری بے رونق
 اس پر نہیں آج رونق افزا شاطر
 تھی گھات میں موت مات کر نیکوترے
 کیوں تو نے کیا تحلّص اپنا شاطر
 نالاں پایا مجھے تو بولی یوں عقل
 واپس غم سے ترے نہ ہوگا شاطر
 مانگ اس کے لئے جناب باری سے
 رحمت کا ہو مستحقِ خدا یا شاطر

تاریخ وفات کے لئے بے سروہم
کافی ہے یہ۔ افسوس دروغ شایع

۱۹۳۲ - ۶ = ۱۹۲۶

طُوفانِ غم

ان نظموں کا مجموعہ جو محروم نے اپنی
اہلیہ کی وفات پر لکھیں

اشکِ حسرت

یہ آج ہونے لگی ہے کدھر کی تیاری
ہے بی طرح مستر شمعِ نظر سے بیزاری
کہاں ہے آج تمہاری وہ طرزِ غمخواری
کہ بے اثر مرے نالے ہیں بے اثر زاری
یہ ہاتھ جوڑ کے مجھ سے معافیاں کیسی
چھڑی ہے آج یہ رخصت کی دستاں کیسی؟

ذرا تو دھیان کر د میرے سوزِ غم کی طرف
 چلے ہو تاروں کی چھاؤں میں کیوں عکسِ کمر
 نظر اٹھاؤ ذرا میری چشمِ نم کی طرف
 بڑھاؤ ہاتھ نہ اے جاں مرے قدمِ کمر
 مجھے تو روکتے ہو بار بار روونے سے
 رُک گئے کیا نہ مرے زار زار روونے سے
 نہ کر کے جاؤ مجھے آہِ خانماں برباد
 نہ دیکے جاؤ مجھے شغلِ نالہ و فریاد
 رکھا ہے میں نے تمہیں اور تمنے مجھ کو شاد
 نہ جھیلی جائیگی ہجرِ دوام کی اُفتاد
 کیا تھا عہدِ وفا مجھ سے عمرِ بھر کے لئے
 ابھی سے ہو گئے تیار کیوں ادھر کے لئے

گذرنے پائے ہیں مشکل سے پانچ سال ابھی
 شباب پر ہے تمہارا تو بال بال ابھی
 عروج پر ہے غر و سانہ چال و حال ابھی
 نہ لاؤ موت کا دل میں ذرا خیال ابھی
 تمہارے مرنے کے ایجاں یہ دن نہیں ہرگز
 جہاں سے اُٹھنے کو یہ سال و سن نہیں ہرگز
 دوا دوش بری بیکار جائیگی؟ افسوس!
 دُعا مرے نہ کسی کام آئیگی؟ افسوس!
 اجل جہاں سے تمہیں آج اُٹھائیگی؟ افسوس!
 زمانہ بھر کے ستم مجھ پہ ڈھائیگی؟ افسوس!
 فلک کو رحم نہ وِ دیا دتی پہ آئے گا؟
 غریب و بیکس و معصوم کو رُلائے گا؟

لو! اُٹھ کے بیٹھو کہ وڈیا سر ہانے آئی ہے
 تمہارے منہ سے وہ دامن اُٹھانے آئی ہے
 ادائے طفلی کوئی تو دکھانے آئی ہے
 کہ ہنستی آئی ہے۔ تم کو ہنسانے آئی ہے
 وہ چل کے آئی ہے گھٹنوں پہ تھک گئی ہوگی
 تمہارے پیار سے پھر اُس کو تازگی ہوگی!
 اُٹھا بھی لو کہ بہت بقیہ رہا ہے وڈیا
 نگاہِ مہر کی اُمید دار ہے وڈیا
 رہیں سختے صدا انتظار ہے وڈیا
 نہ چھوڑ جاؤ اسے۔ شیر خوار ہے وڈیا
 پکا رتی ہے تمہیں آج کس قرینے سے
 اُبل کے شیر ٹپکتا نہیں ہے سینے سے؟

تمہاری مادرِ ناشاد ہے سربالیں
 خراب حال - ستمیدہ - خستہ و غلیں
 سنائی دیتے نہیں اُس کے ناہائے حزن
 یہ خوابِ ناز ہے کیا چونک کر اٹھو بھی کہیں
 ذرا تو یاد کرو دل فگارِیاں اُس کی
 بھلاؤ دل سے نہ تیارِدارِیاں اُس کی
 وہ میری مادرِ مجبور و بیکس و بیتاب
 تڑپ رہی ہے پڑی مثلِ ماہی بے آب
 تمہیں پکار رہی ہے - اُسے بھی کچھ تو جواب
 کرو نہ اُس کو زیادہ قلیلِ تیغِ عذاب
 اُسے ہے آج ضرورت تمہاری خدمت کی
 نہ پھیرو آنکھیں نہیں رسمِ یہ صداقت کی

کسی سے کرتے نہیں کوئی بات۔ واسفا!
 نہ تھے تم ایسے تغافل صفات۔ واسفا!
 دھرے ہی رہ گئے بنصوں پہ بات واسفا!
 کٹے گی کس سے یہ ماتم کی رات۔ واسفا!
 چلے ہو چھوڑ کے روتا ہوا غریبوں کو
 ہمیشہ روتے رہینگے۔ یونہی نصیبوں کو!
 خیال میرے دل دردمند کا کرتے
 شریک شادی و غم تھے تو پھر وفا کرتے
 نہ دیتے داغ جدائی تو کیا بُرا کرتے
 فلک سے آج نہ ہم شکوہ جفا کرتے
 چلے ہو گھر کو۔ مگر ہاں وہ کون گھر ہے
 عزیز اس سے کوئی اور بھی سوا گھر ہے؟

جو چہت سے بچہ کنجشک کوئی آن گرا
 اٹھا اٹھا کے اُسے تم نے آشیاں میں رکھا
 دیا ہے خوب مقدر نے آج یہ بدلا
 مٹھاری گود سے گرتی ہے خاک پر دیا
 کرینگے اس پہ دل و جاں نثار ہم لیکن
 تمام عمر رہے گی ادا اس وہ تجھ بن!
 ہے یاد مجھ کو وہ پر سوں کی زیراب فریاد
 مٹھاری آہ! جگر سوز۔ پر تعب فریاد
 دل و جگر پہ مرے ڈھا گئی غضب فریاد
 کہ کرنے والے نہ تھے تم تو بے سبب فریاد
 مرض کا شکوہ نہ تقدیر کی شکایت تھی
 فغاں میں مائے! نکلتی وہ دل کی حسرت تھی

چلی ہوں چھوڑ کے بے پروا آشتیانے میں
 کسی کا کون ہے ہمدرد اس زمانے میں
 قضا کو خاک ملے گا مرے مٹانے میں
 نہیں ہے عذر مجھے تو جہاں سجالے میں
 نہیں ملال کہ میرا مال کیا ہو گا
 یہ فکر ہے مری و دیا کا حال کیا ہو گا
 جو میری گود سے دم بھر جدا نہ ہوتی تھی
 جو میری آنکھ سے او جھل ذرا نہ ہوتی تھی
 میں اپنی بچی یہ کس دن فدا نہ ہوتی تھی
 جو رات آنکھوں میں کٹتی خفا نہ ہوتی تھی
 ہے کون جو مری نازوں پری کو پالے گا
 کوئی تو خاک سے گوہر مرا اٹھالے گا

دردناک منظر

جاگو! اسے اٹھا لو۔ سوکر اٹھی ہے ودیا
 کیوں برخلافِ عادت روکر اٹھی ہے ودیا
 بیتاب اس طرح کیوں ہو کر اٹھی ہے ودیا
 صبر و قرار شاید کھو کر اٹھی ہے ودیا
 اس کو بھی غائبانہ معلوم ہو گیا ہے
 خرابِ عَدَم میں تم ہو یا بخت سو گیا ہے
 نظروں سے آہ! کیا کیا حسرت ٹپک رہی ہے
 رہ رہ کے مُنہ ہمارا حیرت سے دیکھتی ہے

چہرے سے بے نمایاں دل کی جو بیکلی ہے
 تیری تلاش اس کو اسے مہرِ مادی ہے
 وہ گود سے ہماری۔ آخر چپل کے نکلی
 جاتی ہے کس طرف کو۔ گھٹنوں پہ چل کے نکلی
 گھٹنوں پہ چل کے نکلی بستر کے پاس پہنچی،
 ننھے سے آہِ دل میں کچھ لیکے آس پہنچی،
 کیا مطمئن سنبھالے ہوش و حواس پہنچی،
 لیکن کچھ اس سے پہلے اے والے! یاں پہنچی
 کس کو پکارتی ہے مٹھ سے کفن اٹھاکر
 منزل پہ ٹھنڈے ٹھنڈے پہنچے وہ لہلہا کر
 جی بھر کے دیکھ لے تو مٹھ اپنی پیاری ماں کا
 موقع نہیں ہے وِ دیا! یہ ہوں کا اور ٹاں کا

مطلب نہیں سمجھتی کیا تو مری فغاں کا
 ٹوٹا ہے ہاتھ تجھ پر۔ بیداد آسماں کا
 اب مانگتی ہے وِوِیا! غولِ غاں کی داؤس سے
 کرتی ہے بھولے بھالے دل کو تو شاد کس سے؟
 ان سر دچھاتیوں میں کیا شیر ڈھونڈتی ہے
 پتھر میں موم کی تو تا شیر ڈھونڈتی ہے
 اب شمعِ کشتہ میں کیا تنویر ڈھونڈتی ہے
 کیسے شکار ہائے! تقدیر ڈھونڈتی ہے
 مُردے سے اپنی ماں کے یہ پیار کمرہ ہی ہے
 مجھ سخت جاں پہ یارب! یہ کیا گزر رہی ہے
 ساری مصیبتوں سے وِوِیا! کڑی مصیبت
 اُف! ہنستی کھلتی پر یہ آپڑی مصیبت

تقدیر نے دکھائی تجھ کو بڑی مصیبت
 ہمہرے اجل نے کیا سرخڑی مصیبت
 ہیں جان و دل مرے تو تجھ پر نثار و دیا!
 کچھ اور چینز لیکن ہے ماں کا پیار و دیا!

کسی کے پھول

گنگا کو جا رہے ہیں ترے آئے نگار پھول
 تازہ رہیں گے مشعل گلِ نو بہار پھول
 جل بجھ کے رہ گیا تن رشکِ چمنِ ترا،
 لایا ہوں راکھ سے تری چُنکر دو چار پھول

بوٹا سا قد وہ آہ ! بہشت بریں میں ہے
 جھڑک رہاں میں رہ گئے بے شاخسار پھول
 کانٹوں سے بھی ہاں کم ترے پھولوں کے سامنے
 بارغ جہاں کے او صنمِ گلخِدار ! پھول
 بوئے وفا و رنگِ محبت سے تازہ ہیں
 یہ بے نیازِ گردشِ لیل و نہار پھول
 مجبورِ آج یا دلِ ناخواستہ ! دریغ !
 گنگا کو سو نہتا ہے کوئی دلِ فگار پھول
 واپس وطن کو جاؤں گا داغِ جگر لئے
 اب تک تھے میرے پاس تری یادگار پھول
 تسکینِ فزائے خاطرِ حیراں نصیب تھے
 دوِ خزانِ غم میں رہے غم گسار پھول

دھیمی تھی جن سے کچھ مرے سوزِ نہاں کی آگ
 جاتے ہیں ہاتھ سے وہ دلِ داغدار پھول
 تابِ سخن کہاں تھی مجھے فرطِ غم سے آج
 ہوتے نہ گر سکوتِ شکن تازہ کار پھول
 رہ رہ کے تجھ کو پھول ترے یاد آئیں گے
 گلشن میں جب کھلائیگی بادِ بہار پھول
 پھلتے رہیں گے آہ! مرے داغِ ہائے دل
 کھلتے رہیں گے یعنی یہاں بار بار پھول
 دامنِ موجِ گنگ! نہ ہونا تو اِنپہ تنگ
 ہیں تازگی میں منتخبِ روزگار پھول
 آغوشِ مہرِ کھولدے ان کے لئے ذرا،
 گنگا! ترے کرم کے ہیں امیہ دار پھول

تجھ میں سمائیں گے روشِ نگہتِ چمن
 زہارِ تیرے دوش پہ ہونگے نہ بارِ پھول
 یہ پھول وہ ہیں جنہیں ہے بوئے وفا بھی
 تازہ مشامِ جاں ہے انہی سے مرا بھی!

ہری دوار سے واپسی پر

کسی کے پھول جو گنگا میں ہم بہا کے چلے
 جگر پہ آہ! نئے داغ اور کھا کے چلے
 وہ پھوٹ پھوٹ کے روئے کنارِ گنگا پر
 کہ نہر پہلوئے دریا میں اک بہا کے چلے

گئی نہ حیف ! کدورت دلِ مکدر سے
 صفائے گنگ سے ہم خاکِ فیضِ پاک کے چلے
 نظر نہ محلِ لیلائے انبساط آیا
 مثالِ قینِ بہت بن کی خاک اُٹا کے چلے
 پھرے پہاڑوں پہ سر بار تے ہم اے قرباد
 جگر پہ تیشہ حسرت کی چوٹ کھا کے چلے
 گھٹانہ آہِ ذرا بھی تو سوزِ پنہانی
 پلٹ پلٹ کے نہائے۔ نہا نہا کے چلے
 چلے ہیں ویسے ہی جیسے کہ اے تھے محروم
 وطن کو بادلِ غم دیدہ پھر پھر کے چلے

قِطْعہ

غمِ حیران سے تنگ آ آ کر
 پوچھتا ہوں یہی مقدر سے
 کر رہا ہے تو کیوں حلال مجھے
 طویلِ فرقت کے کُندِ خنجر سے
 سامنے میرے کوئی دم توڑے
 اور دیکھوں میں دیدہ تر سے،
 حسرتِ مرگ ہو مگر نہ مڑوں
 جان ہو جائے سخت پتھر سے

دیکھتے کامیں دیکھتا رہ جاؤں
 جب جنازہ اُٹھے مرے گھر سے
 درو دیوار سے اُٹھیں نالے
 جو زیادہ ہوں شورِ محشر سے
 گھر پہ چھا جائے ایک تاریکی
 اثرِ دورِ خُسِ اختر سے
 جا کے شمشان میں وہ تن پھک جائے
 جو ہوناڑک سوا گلُ تر سے
 آتش گل سے ہو جسے آسیب
 داغ کھائے ہجومِ اخگر سے
 اور معصوم ایک سال کی جاں
 گر کے آغوشِ مہرادر سے

خاک پر لوٹ لوٹ کر روئے
 ہوں رواں اشکِ ناب گوہر سے
 ہائے یہ واقعات دیکھوں میں
 گردشِ چرخِ فتنہ پر در سے
 اور کلیجہ مرا نہ پھٹ جائے
 یہ بھی ہو جائے سخت پتھر سے
 موت گھر میں ہو اور یوں میری
 جانِ بیزار موت کو تر سے
 اُہِ سیلاب میں رہوں پیاسا
 اور ہو سَیِل کا گذر سے
 مَدعا کیا تھا اے قضا بتیرا
 کچھ تو کہہ مجھ غریب مضطر سے

کیا مجھے اور بھی ہے تڑپانا
 طُولِ عہدِ فراقِ دلیر سے
 زندہ چھوڑا ہے کس لئے مجھ کو
 تو نے دنیا میں حالِ اُتر سے
 ہوگا احساں جو فیصلہ کر دے
 پیشتر ساعتِ مقدر سے
 بختا ہوں تجھے حیات کے دن
 کچھ ہیں باقی اگر مقدر سے
 شکوہ روزِ جزا ترا ہرگز
 نہ کروں گا جنابِ داور سے

نومبر کی ایک صبح

ہوتی ہے خوشگوار نومبر کی رات کیا
 وہ رات چاندنی ہو تو پھر اس کی بات کیا
 لبریز نور سے طبق آسماں تمام
 فیضِ مہِ تمام سے روشن جہاں تمام
 دلکش نظر فریب درو بام کی جھلک
 ہر منظرِ شبانہ میں آرام کی جھلک
 جان بخش بعدِ شدتِ گرمائی راحتیں
 دلچسپ آمدِ سردی کی راحتیں

چاروں طرف ہوا کی خموشی سکوں فنا
یک رنگئے فنا کی خموشی سکوں فنا

ایسی ہی ایک رات تھی اور میں غریب تھا
ماتم شریکِ خاطرِ محزون نصیب تھا
آدھی سے کچھ سواشبِ ماتم تھی ڈھل چکی
شمعِ امیدِ آہِ افسریا پگھل چکی
مہماں تھی کوئی دم کی مریضہ پڑی ہوئی
تقدیرِ نوحہ خواں تھی سر ہانے کھڑی ہوئی
چہرہ کبھی جو رشکِ گلِ نو بہار تھا
اب زرد زرد برگِ حزنِ دیدہ ایتھا
رہ رہ کے لے رہا تھا سنبھالے چراغِ عمر
اک داغ رہ گیا تھا سمٹ کر فراغِ عمر

ہر لحظہ پر بھی وہ تنگ و تازِ نبض کی
 بقاعدہ ہر ایک نو اسازِ نبض کی
 جب چارہ گر کو موت کا چارہ نہ مل سکا
 مجھ کو بغیرِ یاس سہارا نہ مل سکا
 حالتِ نگاہِ بازِ پس کی نظر میں ہے
 اک تیر تھا کہ آہ ! ابھی تک جگر میں ہے
 حسرت بھری نگاہ کا پھر نامری طرف
 ہاتھوں کا آہ ! جڑ کے وہ گرتا مری طرف
 حیرت میں آج تک ہوں کہ کیوں زندہ رہ گیا
 کس درجہ سخت جاں تھا کہ یہ صدمہ سہ گیا !
 زوروں پہ جلوہ شبِ مہتاب تھا ابھی
 مائلِ بچواب دیدہ بے خواب تھا ابھی

وہ شمع گل تھی شمعِ حشر سے بھی پیشتر
 ڈوبا وہ مر غروبِ حشر سے بھی پیشتر
 سورج چڑھا قیامتِ حشر دوام کا
 نظروں سے امتیازِ مِٹا صبح و شام کا
 گودِ م میں اپنے کثرتِ شیون سے دم نہ تھا
 غم خانہ میرا عرصہٴ محشر سے کم نہ تھا
 مارا ہوا ہوں ایک نومبر کی صبح کا
 ہے انتظار اب مجھے محشر کی صبح کا!

سارس کا جوڑا

کنتار آبِ دورانِ سفر میں شام پڑ جانا
 مصیبتِ خیز تھا سارس کے جوڑے کا بچھڑ جانا
 شبِ تاریکِ فرقت میں بھٹکنا ان غریبوں کا
 صدا دینا - مگر قسمت کا ایسا پیچ پڑ جانا -
 کہ یہ اس پار لپکا اور اُڑا وہ دوسری جانب
 یونہی تدبیر کا ہر بار بن بن کر بگڑ جانا

غرض شب بھر یونہی اک دوسرے کی جستجو کرنا
 مقابل کے کناروں سے وہ ان کا ہاؤ ہو کر نا

وہ آغوشِ تمنا کھول کر مجبور رہ جانا
 وہ بیتابی سے اظہارِ وفورِ آرزو کرنا
 سنا دُور سے وہ داستانِ شوق و دُنو کا
 وہ اپنی بے بسی - بیچارگی پر گفتگو کرنا

مگر آخرِ نشانِ مشرق میں اڑنا مہرِ تاباں کا
 ادھر روپوش ہو جانا شبِ تاریکِ ہجراں کا
 وہ صبحِ وصل کا آنا - وہ اُن کا شوق سے ملنا
 غمِ دُوری کا مٹ جانا - نکلنا دل کے اریاں کا
 ستائشِ بخت کی کرتے ہوئے اڑنا شیمن کو
 محبت میں نئے سرے سے وہ ہونا عہد و پیمان کا

نصیبِ آہِ اسارس سے بھی ہم نے تو بُرا پایا
 کہ صبح وصلِ جاناں کو نہ ہرگز رونا پایا
 کبھی دم توڑ دینگے چُکے چُکے داہنِ شب میں
 ابھی سے شامِ حُسر اں کو بہت صبر آڑ پایا
 شبِ فرقتِ قیامت ز اطلوعِ صبحِ ناپیدا
 مقدر! تیرے اندازِ ستم کا مدعا پایا

تمنائے محروم

کاش! بل جائیں کہیں اور میں دکھاؤں چہرہ کر
 سینہ اپنا جس میں طوفاںِ حسرت و ارباں کہیں

داغِ گنِ گن کر دکھاؤں پھر دل بے تاب کے
 یعنی وہ سارے نشاں جو صدمہ ہجراں کے ہیں
 دے اگر توفیقِ ہمت وہ بھی کر دوں آشکار
 آہ! چر کے دل پہ جو تیغِ غم نہہاں کے ہیں
 پھر کروں میں گوہرِ اشکِ رواں اُن پر نثار
 جس قدر باقی صدف میں دیدہ گریاں کہیں
 اور کہوں اُن سے کہ بس اب ہو چکا انجامِ ضبط
 ڈھنگ و حشتِ آشنا میرے دل حیراں کہیں
 آئیے اور کیجئے ناشاد ماں کو شاد پھر
 کب سے میرے دیدہ و دل منتظر احساں کہیں
 آہ! اے محرومِ اے محنت کشِ ایامِ غم
 ہم نے مانا تجھ پہ صدمے گردِ شِںِ دوراں کے ہیں

صبر بہتر ہے قریٰ فریاد پہچ انجام سے
 طور گو پُر درد تیرے نالہ و افغاں کے ہیں
 تیری خاطر کون آتا ہے عدم سے لوٹ کر
 یہ خیالی و سو سے تیرے دلِ ناداں کے ہیں

اب کے بھی دِن بہار کے یوں نہ گزر گئے

تضمین

پھر لالہ و گلاب چمن میں نکھر گئے
 نالے ہزار کے ہمیں آگاہ کر گئے
 صدموں کے آہِ اِدِل سے نہ بک اتر گئے
 ہم سیر گلستاں کو بھی تھامے جگر گئے

اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے!

نالے دلِ غریب کے سب بے اثر گئے

جانے سے اپنے وہ ہمیں تاشا دکر گئے

آغازِ فصلِ گل سے بہت پیشتر گئے

اے طویل انتظار! بس اب ہم تو مر گئے

اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے!

گلشن کے پھولِ دلِپہ مرے داغ دھر گئے

کانٹے تمام آہ! جگر میں اُتر گئے

سُنتے تھے شاہدِ ان لبِ جو نکھر گئے

ہم ان کے دیکھنے کو۔ بہتر گان تر گئے

اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے

فصلِ بہار دھوم سے آئی تو کیا ہوا

ببل اگر ہے زمزمہ پروازِ خجّہ کو کیسا
 پامالِ غم ازل سے دل بے قرار تھا
 پس ہی گیا ہے۔ ابکے وہ کوہِ الم گرا
 اب کے بھی دن بہار کے یونہی گذر گئے!
 ہو جاتے ہیں کچھ ایسے ہی سماں بہار میں
 دل کو مرے جور کھتے ہیں حیران بہار میں
 اب کے تو مضطرب ہے بہت جان بہار میں
 یعنی ہے شغلِ مانم جاناں بہار میں
 اب کے بھی دن بہار کے یونہی گذر گئے!
 روتا ہوں گل کے خندہِ پیہم کو دیکھ کر
 کم مانگئے گریہِ شبنم کو دیکھ کر
 کہتا ہوں چشمِ نرگس پر غم کو دیکھ کر

یہ بھی ہے اشکبار مرے غم کو دیکھ کر
اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے!

کیا یاس خیز عالم صبح بہار ہے

گل روبرو ہیں اور نہاں ہوئے یار ہے

تیر نسیم سینہ مخزوں کے پار ہے

کیسی بہار یہ مرے پروردگار ہے

اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے!

رونق ہجوم ملبس و گل سے چمن ہیں ہے

آہنگ چنگ و جام ہر اک انجمن ہیں ہے

لیکن کمی کہاں مرے رنج و محن میں ہے

سو ز نہاں سے آگ لگی جان و تن ہیں ہے

اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے

آب و ہوائے دہرنے پائی شگفتگی
 ذروں پہ خاکِ مُردہ کے چھائی شگفتگی
 گلزار میں ہے تازہ نوائی شگفتگی
 لیکن ہمارے کام نہ آئی شگفتگی
 اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے!
 ہر اک روشِ صبا کی عروسانہ چال ہے
 جو تخیل ہے ریاضِ جہاں میں نہال ہے
 دل آہ! مثلِ سبزہ مرا پائیال ہے
 اب کے برس بھی موردِ رنجِ نلال ہے
 اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے!
 کیا فیضِ تیرے دم سے نسیمِ سحرِ بلا
 غنچہ کبھی نہ دل کا باندازِ گلِ کھلا

اپنا نصیب تھا یہی۔ موسم کا کیا گلا
 ہر سال حسبِ حال ہمارے ہے یہ دلا
 اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گذر گئے!
 محروم مدعا ہے باغِ جہاں میں حیف!
 گذری بہارِ عمرِ غمِ جاوداں میں حیف!
 پایا نہ فرق ہم نے بہار و خزاں میں حیف!
 میں صرفِ دل کے حوصلے آہ و فغاں میں حیف!
 اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گذر گئے!
 دلکش گلاب ہے۔ نہ سمنِ دلپذیر ہے
 گلِ داغِ دل ہے خارِ کلیجے کا تیر ہے
 شعر و سخن میں ذکرِ چمنِ ناگزیر ہے
 وردِ زباں یہ مصرعہ استادِ میر ہے

اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے!

نایاب رشتے

کتنے ہی استوار ہوں ٹوٹیں گے ایک دن
 رشتے یہ جتنے الفت و مہر و وفا کے ہیں
 یہ مادہ و پدر زن و فرزند و اقربا
 شب بھر کے میہماں ہیں مسافر سرا کہ ہیں
 اطراف مختلف سے نکل آئے ہیں یہاں
 ٹھہرے سرا ئے دہر میں اک جا پہ آکے ہیں
 بل جل کے جائیں گے نہ بہم ہو کے آئے تھے
 رستے نہاں نظر سے حیات و فنا کے ہیں

آب و ہوائے دہر کی تاثیرِ انس سے
 پابستہ یہ عسلیق بے انتہا کے ہیں
 اک دوسرے کے ساتھ پلٹتے ہیں پیار سے
 تجدید پر گھڑی گھڑی پیمیاں وفا کے ہیں
 چاہت کا وہ طلم سما یا ہے آنکھ میں
 عمرِ دو روزہ پر انہیں دھوکے بقا کے ہیں
 سُنّتے نہیں کہ پنبہٴ غفلت بگوش ہیں
 تقارے گر چہ بج رہے سر پر فنا کے ہیں
 پرستے ہیں جن میں آدمی نظروں کے سامنے
 ارض و سما دو پاٹ اُسی آسیا کے ہیں
 محروم یہ تو مجھ کو بھی معلوم ہے کہ ہم
 جو کچھ ہیں چلتے پھرتے کھلونے قصا کے ہیں

کرتا ہوں میں تو صبر بھی اور دل پہ چربی
 اشکوں کو کیا کروں کہ یہ خود سر بلا کے ہیں ! *

سوزِ دل

پھر دل سوختہ مصروفِ فغا ہوتا ہے
 ذکرِ سوزِ غم و اندوہ نہاں ہوتا ہے
 کچھ خبر ہے تجھے شمشان کو جانے والے !
 سوزِ فرقت سے بُرا حال یہاں تھا ہے
 خالقِ پاک تری رُوح کو ٹھنڈا رکھے
 مجھ فریادِ ترا سوختہ جاں ہوتا ہے

صبح دم یاد مجھے تیری چتا آتی ہے
 شعلہ سُرخ جو مشرق میں عیاں ہوتا ہے
 اور ہر شام تیری رونق طلعت کے بغیر
 غمکدے میں مرے وحشت کا سماں ہوتا ہے
 مری آہوں سے بُوئے داغ جگر آتی ہے
 لختِ دل ساتھ لئے اشکِ رواں ہوتا ہے
 ہے مرے واسطے اب گلشنِ عالم گلخن
 ہر گلِ تر پہ شرارے کا گماں ہوتا ہے
 آنچ سے آتشِ حیراں کی ہوئی وہ صورت
 جیسے تفسیدہ کوئی برگِ خزان ہوتا ہے
 پھیل جاتی ہے ہر شام جو دُھند لاہٹ سی
 مہِ جبین! وہ مری آہوں کا دُھواں ہوتا ہے

وہ نہیں رنگِ شفق - اوجِ فلک پر جا کر
 نفسِ گرم مرا شعلہ فشاں ہوتا ہے
 آستین میں ہے نہ دامن میں لگی ہے دلیلیں
 غم کس سمیت کا اے اشکِ وان ہوتا ہے
 تپشِ داغ سے کرتی ہیں وہی کام آہیں
 آگ پر جو اثرِ یادِ وزاں ہوتا ہے
 تھا جلانا تو مجھے شمعِ بت یا ہوتا
 یا وہ پروانہ جو محفل میں تپاں ہوتا ہے
 مجرورِ ہر میں کیا خوب ہے مقسومِ سپند
 یہ سلگنے کا عذاب اس کو کہاں ہوتا ہے
 آج محسوسِ دم نکالے ہیں بہت گرم اشعار
 دلِ جلوں کا یہی اندازِ بیاں ہوتا ہے

روزے کہ شیعہ سحر و شام ندارد

تضمین

ارمان وصال بُتِ گُلفام ندارد
 ذوقِ گلِ رخسارِ دل آرام ندارد
 بیچ از ہو سِ نامہ و پیغام ندارد
 گفتم بدلِ این طمعِ حرام ندارد
 نو میدئے ماگردشِ ایام ندارد
 روزے کہ شیعہ سحر و شام ندارد
 اب خنجرِ حسرت سے میں سبیل نہیں ہوتا
 ابرو کا قصور بھی مقابل نہیں ہوتا،

رونے پہ شبِ بھر بھی مائل نہیں ہوتا
 بچپن سحر کے لئے اب دل نہیں ہوتا
 نو میدے ماگر دشمنِ ایام ندارد
 روزے کہ سیہ شد سحر و شام ندارد

پیکانِ تمنا نہیں جاتا ہے جگر تک
 خونِ نابِ دل آتا نہیں ابیدہ تر تک
 رہتا نہیں میں گوشِ برآوازِ سحر تک
 اٹھتی نہیں مشرق کو دمِ صبحِ نظر تک
 نو میدے ماگر دشمنِ ایام ندارد
 روزے کہ سیہ شد سحر و شام ندارد

تڑپا نہ دل کشتہ مصمصامِ جدائی
 بچس ہے تہ کثرتِ آلامِ جدائی
 ایام ہیں اب زیت کے ایامِ جدائی
 ہے صبح شب ہجر بھی یاں شامِ جدائی
 نو میدے ماگردش ایام ندارد
 روزے کہ سیہ شد سحر و شام ندارد
 عالم میں بدلتا رہے اوقات کا عالم
 رہتا ہے یہاں تو وہی ظلمات کا عالم
 دیکھا نہیں امید کے لمعات کا عالم
 پیش نظر ایسے ہے وہی رات کا عالم
 نو میدے ماگردش ایام ندارد
 روزے کہ سیہ شد سحر و شام ندارد

رُبَاعِیَات

(۱)

دے کر افسوس! درد پہلو مجھ کو
کیوں چھوڑ چلا نگارِ خوشخو مجھ کو
رونے دے مجھے۔ کہ ہو گیا میں برباد
دھوکا اے واہمہ! نہ دے تو مجھ کو

(۲)

مقسوم میں تھا یہی ہمارے غم درد
ہوتا محسوس کس طرح سے کم درد

یا رب ! نہ کسی سے یوں جدا ہو جائے
ہمدم - ہمراز و ہم نشین و ہم درد
(۳)

دل خوں ہے وہ انقلاب دیکھے میں نے
دنیا میں بہت عذاب دیکھے میں نے
تسکین دیتا ہوں دل کو اب یہ کر
وحشت انگیز خواب دیکھے میں نے !
(۴)

اک دل میں ہزار پیچ و تاب لے لئے !
یہ زندگی ہے - کہ ہے عذاب لے لئے !
مردوں کو لحد میں یہ سکون یہ آرام
زندوں کے لئے یہ اضطراب لے لئے !

(۵)

آہیں وہی اور اشکباری ہے وہی
 ابرِ آلامِ دل پہ طاری ہے وہی
 مُردہ ہوں کہ نطفِ زیست سے ہوں محروم
 زندہ ہوں کہ دل کی بیقاری ہے وہی

تضمین

تا بہ آغوشِ فنا دیدم نگارِ خویش را
 در تہ ہر ذرّہ میجوئم مزارِ خویش را
 مے فریہم طالعِ ناساز گارِ خویش را
 ہر زمان گوئم دلِ اُمید دارِ خویش را

”آہ! من گرج باز بینم روئے یارِ خویش را
تا قیامت شکر گویم کردگارِ خویش را!“

قطعہ

مر گیا دل اور دل کے حسرت دارِ ماں تمام
یعنے اب باقی نہیں کوئی خوشی میرے لئے
پُر عذابِ مرگ سے ہے لحظہ لحظہ غم کا
زندہ رہنا ہے جہاں میں خود کشی میرے لئے

قطعہ

ہوئے روپیٹ کر خاموش آخر بظاہر ہو چکا ماتم کسی کا
مگر دنیا ئے فانی میں مومن تک دل بیتاب ہے اور غم کسی کا

تقریبات

سلام و پیام

(فخر پنجاب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم۔ اے بیرسٹر لاہور
 کے ولایت سے ہندوستان تشریف لانی کے موقع پر لکھی گئی)
 آنا ترا مبارک! یورپ سے آنیوالے!
 احبابِ منتظر کو صورت دکھانے والے
 آنا ترا مبارک! اعزازِ پانے والے!
 ہندوستان کی عظمت عزت بڑھانے والے
 آنا ترا مبارک! یا صد ہزار شوکت
 ملکِ سخن میں اپنا سکہ بٹھانے والے!

آنا ترا مبارک! او بیل خوش الحان
 نظمیں سننے والے! تانیں اڑانے والے
 آنا ترا مبارک! او خسر بزم قومی
 ہنسنے ہنسانے والے! رونے رلانے والے!
 منظور کیجئے گا پہلے سلام میرا!
 خدمت میں آپ کی ہے پھر یہ پیام میرا
 محفل میں رنگِ الفتِ شیخ! پھر جاوے
 لایا فرنگ سے ہے جوئے وہی پلاوے
 پھر ہو رہی ہے اُن بن کچھ شیخِ دیرہمن میں
 ان کو گلے ملاوے! اوروٹھے ہوئے منادے!
 ہو یرہمن نمازی۔ زائد ہو پائے بُت پر
 دیر و حرم کو ایسی ترکیب سے ملاوے

کلمہ پڑھیں ترا سب ہو کفر دُور دل سے
 ناقوس پھونک ایسا ایسی اذان سنا دے
 مشہور کشوروں میں ہے سوز و ساز تیرا
 اہل وطن کو اپنے اس راز کا پتا دے
 سوتوں کو ہے جگانا۔ مُردوں کو ہے چلانا
 ہو گا یہ کام تجھ سے بہمت تجھے خدا دے!
 سوزِ سخن بھی ہے گردِ دنیا میں چسپنا کوئی
 اس کا اثر دکھا دے۔ اک آگ سی لگا دے
 منزل کٹھن ہے اپنی۔ اور پرِ خطر ہیں راہیں
 پھر سینکڑوں دور ہے۔ اک راہ پر چلا دے
 سحرِ سخن سے اپنے تخیلِ کردلوں کو
 نغمہ کوئی سنا دے! جا دو کوئی چلا دے

قیمت سے ہے دلوں پر حاصل تجھے حکومت
 جس کو ترس رہے ہیں دنیا کے شاہزادے!
 بھارت ہماری ماں ہے۔ لازم ہے اسکی سیوا
 کیا چاہئے ہمیں گر خوش ہو کے یہ عائدے
 ہل جائے دلِ زمیں کا اور جہنم کا نیپے اٹھ
 اے نوجوان کراک کہ بجلی کوئی گرا دے!

دی ہے زباں بھی تجھے کو دل بھی دیا خدا نے
 حُبِ وطن کے دلکش پھر چھپڑ دے ترانے!

اک بار پھر سنا دے "ہندوستان ہمارا"
 اپنی زباں میں کہدے رازِ نہاں ہمارا
 پھر زمرنوں سے اپنے آباد اس کو کر دے
 تیرے بغیر سونا تھا گلستاں ہمارا

تھے تیری جستجو میں بن بن کی خاک اُڑاتے
 بادِ بہار اپنی۔ آبِ رواں ہمارا
 کیا حال ہے وہاں کا۔ آتا ہے تو جہاں سے
 کچھ تذکرہ سنا بھی تو نے وہاں ہمارا
 ہم چل پڑے ہیں لیکن منزل ابھی ہے کوسوں
 اور سخت مشکلوں میں ہے کارواں ہمارا
 اپنوں کی سرد مہری نے دل جلا دیا ہے
 پہنچیکا آسمان تک دُورِ فغاں ہمارا
 اقبال! دیکھ اتنا کوئی نہیں سمجھتا
 مٹنے کو ہے جہاں سے نام و نشان بہارا
 آپس کی دشمنی کے یہ دن نہیں ہیں ہرگز
 پہلے ہی جبکہ دشمن ہے آسمان ہمارا

یہ وقت ہے کہ کہیں سب ہو کے یک زبان ہم
 ہندی میں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا
 گنگا میں جا پدارتھ جس دن سے راتم اپنا
 اونڈھا پڑا ہوا ہے اے شیخ! جام اپنا

پیامِ شوق

(اپنے ایک دوست مقیم لندن کے نام)
 سرِ دلجو! مجھ کو حیرت تھی تو کس گلشن میں ہے
 ہو گیا معلوم بارے آج کل لندن میں ہے

لے سوامی رام تیرتھ آنجنانی ۱۷۔

یہ نفاذِ محض گلشن کی رعایت سے نہیں بلکہ کتبِ الہیہ پر لحاظِ قد و قامت صادق آتا ہے (مخبرِ موم)

آجکل لندن میں ہے ہندوستان سے دور ہے
 چشمِ مشرق تماشا! وہ یہاں سے دور ہے
 دور ہے اور دور بھی اتنا کہ لے پیکِ خیال
 تو سیرِ السیر کتنا ہو رسائی ہے محال
 راہ میں حائل ہیں کتنے بحر اور کتنے پہاڑ
 کتنے میدان پر فضا کتنے میاں ہیں اجاڑ
 ختم ہو جاتی ہے مغرب میں جہاں جا کر زمیں
 بحرِ اطلانتک میں چھوٹا سا جزیرہ ہے وہیں
 وہ جزیرہ مسکنِ دانشورانِ دہر ہے
 حکمت آموز جہاں لندن اک اسکاٹھ ہے
 مجھ کو جس کی جستجو تھی وہ اسی لندن میں ہے
 ہند کا سرور و اں انگلینڈ کے گلشن میں ہے!

ایک رونق یاب ہیں تجھے سفر کی منزل میں
 خیریت سے کر گیا طے بحر و بر کی منزل میں
 ہمتِ مردانہ ذوقِ علمِ دو شہرِ ترے
 لیگئے تجھ کو اڑا کر بن گئے رہبرِ ترے
 ہو تری پرواز طلعتِ بخشِ افلاکِ علوم
 راس ہو تجھ کو ہوائِ خطہٴ پاکِ علوم
 شوق سے کسبِ ضیائے آفتابِ علم کر
 اپنی ہستی کو سراپا مانتا ب علم کر
 آکے یورپ سے چمک جا آسمانِ ہند پر
 جس قدر ہو نور برسا خاکدانِ ہند پر
 روشنی میں ہو اضافہ تاکہ تیری ذات سے
 پار بیڑا ہند کا ہو قلمِ طلعات سے!

میرے پیارے ہم ستن! میرے پُرانے بھیاں
 مجھ ہو سکتا نہیں دل سے ترانقش جمال!
 دل نشیں صورت تیری خاطر نشان سیرت تری
 اک امانت دل میں ہے الفت تری عزت تری
 اے عزیز خاطر احباب تو شاداں رہے
 اجنبی ملکوں میں تجھ پر سایہ یزداں ہے
 اپنے ہم چشموں میں حاصل سرخروئی ہو تجھے
 کامیابی کا نظر آئے رخ نیکو تجھے!
 مایہ ناز وطن ہو کر وطن میں آئے تو!
 نو بہارِ جانفسرا ہو کر چمن میں آئے تو!
 یوں رکھے پہلو میں تو اپنے دل پاکیزہ کو
 رکھتے ہیں ماں باپ جیسے ہند میں دوشیزہ کو

حُسنِ انگِستان کے نظارہ ماے دلفریب
 چھین لیجائیں نہ پہلو سے ترے جبرِ شکیب
 تیری نظروں میں نہ ہوا عجازِ جادو حُسن کا
 تو نہ دیکھے لاکھ ہوزِ زرینہ آہو حُسن کا
 دامِ گیسوئے طِلائی میں نہ اُبھے دل ترا
 تو نہ ہو قائل اگر صیاد ہو مائل ترا !
 سنتے ہیں مغرب میں شعلِ بادہ نوشی ہے بہت
 رونقِ بازارِ رسمِ عیشِ کوشی ہے بہت
 میکشی کا تیری محفل میں زلا طور ہو،
 بادہ حُبِ وطن کا یعنی چلتا دور ہو

یاد آجائے کرم تجھ کو کس ٹیڑ پر
 اور دو آفسو بڑھادے جو ٹیڑ پر
 یہ دعائیں ہیں مری ان کو نصیحت مت سمجھ
 جذبہ ہائے دل کو سر کی قابلیت مت سمجھ!

سہرا

زیب دیتا ہے نہایت ترے سر پہ سہرا
 ہے دعا تجھ کو مبارک ہو منو ہر سہرا

لہ دریاے سندھ کا ایک معادن ہے بنوں کے پاس سے ہو کر گزرتا ہے۔ مکتوبیہ
 بنوں کا باشندہ ہے اور محروم کا کلاس فیلو +

ع - لالہ منوہر لال برادر لالہ ٹیک چند بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ڈیرہ اسماعیل خان

آج وہ دن ہے گل و گوہر و اختر از خود
 پاس نوشہ کے چلے آتے ہیں بنکر سہرا
 دیوتا پھول نہ کیوں آج فلک سے برائیں
 خود بنا لائے نہ کیوں نذر کو اندر سہرا
 کیوں نہ خورشید و قمر۔ بام فلک سے جھٹکیں
 کب ہوا ایسا ستاروں کا میسر سہرا
 ہمسر حیح بریں آج زمیں ہے بیشک
 کہ دکھاتا ہے فروغِ مہ و خستہ سہرا
 بحر میں لہر خوشی کی ہے۔ گلستاں فرحاں
 کہ بنا لائے ہیں لیکر گل و گوہر سہرا
 گلشنِ دہریں تو قیرقزائے گل ہے
 مایہ نازِ چمن ہے یہ مُعطر سہرا

باعثِ زند گئے ز مزمہٴ بلبَل ہے
 کہ ہے شاداب کن روئے گل تر سہرا
 ناز کر اپنی لطافت پہ نہ اے موجِ نسیم
 ہے کہیں تجھ سے یہ ناز کتر و خوشتر سہرا
 گرہِ خاطر ہر غنچہٴ گل کو کھولا،
 مطربِ باد بہاری نے سنا کر سہرا
 دیکھ کر سن ہوئے یوں لوگ کہ کچھ سنتے ہیں
 نغمہٴ حُسن کا مصدر ہے سراسر سہرا
 داد دیں گے تمہیں خود جو ہر بیانِ معنی،
 خوب لکھ لائے ہو محسوسِ رومِ سخنور سہرا
 بسکہ نوشاہِ جواں بخت ہے ہو گا مقبول
 غالبِ و ذوق کے سہروں کے برابر سہرا

زرگس کے پھول

پھول زرگس کے ملے تازہ و شاداب مجھے
 عین موسم میں ملا ہدیہ نایاب مجھے!
 دل کھلا ہوئے محبت سے جو پایا ان کو
 دیدہ شوق نے آنکھوں سے لگایا ان کو
 بھینی بھینی وہ ہوئے خوش ہے کہ سبحان اللہ
 برگ برگ اُن کا وہ دلکش ہے کہ سبحان اللہ

لے کر می لالہ پر مانند بالی نے راولپنڈی سے زرگس کے پھول بذریعہ
 ڈاک بھیجے اس عنایت کے شکریہ میں یہ نظم لکھی گئی ہے۔ (محروم)

کیا لطافت ہے بھری پنکھڑیوں میں اُنکی
 جلوہ حسن پری پنکھڑیوں میں ان کی،
 چھوٹ کر باغ سے ہیں بعدِ سفر بھی تازہ
 دستِ قدرت نے ملاخ پہ کچھ ایسا آغازہ
 خوب ان پھولوں کے حق میں شعر کہتے ہیں
 چشمِ معشوق جو کہتے ہیں جاکہتے ہیں
 نظر آجائے جو ہو جائیں کبھی چار آنکھیں
 اُن سے اچھی تو نہیں ہوتی ہیں بیمار آنکھیں
 طالبِ دید سے دم بھر میں جو آنکھیں پھر جائیں
 سامنے اُنکے وہ نظروں سے نہ کیونکر گرجائیں
 نیمباز اُن میں کوئی، کوئی مخمّر آلودہ
 اُن کے ہر رنگ میں نیرنگ بہار آلودہ

ان کا باطن جو طسلائی ہے تو ظاہر سیس
 قیمتِ حسن میں ان سے کوئی گل بڑھ کے نہیں
 ایک ہی جلوے سے سُج کی کرن بھی پیدا
 مہ جالوں کے کرشموں کا چلن بھی پیدا
 لالہ کیا سامنے آئے کہ ہے دلِ گلشن
 ان کو خالق نے کیا چشم و چراغ گلشن
 روئے خوب ان کو گلاب آکے دکھائے اپنا
 پہلے دامن تو وہ کانٹوں سے چھڑائے اپنا
 تھوڑی تھوڑی ہوئی جاتی ہیں سمن کی کلیاں
 کہ بہت بڑھ کے ہیں زرگس کے چمن کی کلیاں
 خوش نصیبوں کے وطن میں وطنِ زرگس ہے
 شامہ مست ہولے چمنِ زرگس ہے

خوش رہیں گلشنِ عالم میں جنابِ بآلی
 گلفشاںِ نخلِ ممّت کی ہو ڈالی ڈالی!
 پھول بھیجے ہیں اُنہوں نے بصدِ الطاف و کرم
 ورنہ محروم کی قیمت میں تو ہے خسارِ الم!

دہلی میں کیا دیکھا؟

برنگِ کاہِ کچھ کر برق کی جانب گئے دہلی
 کہ اُن کو جذبِ اُلفت میں مثالِ بہار دیکھا
 دلِ محروم نازاں ہے کہ جن سے راہِ تھی اسکو
 انہیں سر تا قدم مجموعہٗ صدق و صفا دیکھا

جناب مہر کے دیدار سے آنکھیں ہوئیں روشن
 نگاہِ واقفِ معنی کو برقِ ماسوا دیکھا
 ملے کیفی و رونق سے۔ سُنئے اشعار بھی اُن کے
 ابھی پردوں میں گوشِ وحشِ م کے ہے جو سنا دیکھا
 گزرا اپنا ہوا بزمِ قصیدہ نکتہ پرور میں
 وہاں پر بھی درِ گنجینہٴ معنی کھل دیکھا
 وفائے خضر صورت کی نہ بھولی ہیں شفقت
 بقا آبادِ ذوقِ دل کا ان کو رہتا دیکھا!
 بزرگِ زندہ دل رنگیں مزاج و نکتہ سنج ایسا
 کہیں دیکھا نہ تھا۔ دہلی میں ہم نے انکو جادیکھا
 وفا صاحب کی پیری پر جوانی کیوں نہ ہو صدقے
 انہیں چو نچال پیری میں جوانوں سے سوا دیکھا

ملے یوں مجھ سے گویا ہمدِم دینے تھے سارے
 غرض احبابِ دہلی کو محبت آشنا دیکھا
 کئی حضرات سے ملنے کی خواہش رہی دلیں
 اثر تیرا وہاں بھی ہم نے بختِ نارسا دیکھا
 نہ آثارِ کہن دیکھے۔ نہ گلزارِ وحین دیکھے
 دلِ افسردہ کو اُفتادگی میں نقشِ پا دیکھا
 یہی اشعارِ محرومِ حسیں اُن کو سنا دینا
 جو پوچھیں مہربانانِ وطن۔ دہلی میں کیا دیکھا!

جو تجھے منظور ہم کو اے خدا منظور ہے!

تیری مرضی کو خدائے پاک! کیا منظور ہے
 جنگ شاہوں کو پسند اور صلح نامہ منظور ہے
 دعوائے امن و اماں اب ہے کہاں آدم و یسین
 فتنہ انگیزی جہاں کو حاجب منظور ہے
 آسمان نے لی ہے قدرت سے قبائے نیلیگوں
 شوق ماتم ہے اسے کس کی بقا منظور ہے
 نیزہ دارِ خاور آتا ہے بصرِ جوشِ غضب
 اس کو بھی ہنگامہ گرمِ دغا منظور ہے

بندہ محسوس کو دم مارنے کی تاب کیا
جو تجھے منظور ہلکواے خدا منظور ہے،

قصیدہ

مستملہ

مدحتِ علم و مذمتِ جہالت
جو

رام موہن بائے مائی سکول میانوالی کے افتتاحی جلسہ میں پڑھا گیا

دلِ افسردہ اپنا مائل جوشِ مسرت ہے

مُرادوں کے چمن پر سایہ سترِ برحمت ہے

میاؤں کے صحراؤں میں ہے رنگ چمن پیدا
 وطنِ محروم کا خجستہ دو گلزارِ حبت ہے
 چمنِ بندانِ نو پنجاب سے تشریف لائے ہیں
 بہارِ جاوداں کو جنکے مقدم سے ملاقت ہے
 لگانے آئے ہیں گلشنِ نیا اک علم و دانش کا
 مبارک اے میاؤں! یہ جاں افزا بشارت ہے
 برستائے بنگال سے ابر بہار آیا
 کہ تیری سرزمین لبِ تشنہ بارانِ رحمت ہے
 خیابانِ ہونگے اک دن علم و تہذیب و تمدن سے
 یہی تیرے بیابانِ جن سے وحشت کو بھی حشیت ہے
 یہ ٹیلے ریت کے ہونگے گل شاداب کے تختے
 بہار انگیزانِ روزوں نگاہِ فیضِ قدرت ہے

نسیم رُوح پرور لائی ہے پیغام بیداری
 سر بالیں جگلے کو کھڑی صبح سعادت ہے
 توجہ ہو گئی ہے سارے چچی اور ڈی جے بائڈ کی،
 تجھے یہ عہدِ علم افزا غنیمت ہے غنیمت ہے
 خلیق و مہرباں دونوں شفیق سیکساں دونوں
 یہ وہ حاکم ہیں جن کو پاس بہبودِ رعیت ہے
 یہ وہ انگریز ہیں برطانیہ خود چنے تازاں ہے
 خوشامد سے نہیں کہتا ہوں۔ اظہارِ حقیقت ہے
 کرم سے آج ان کے کھل گیا یہ مکتبِ قومی
 اسی سے کھل گئی اہل میا نوالی کی قبرست ہے
 جو مکتب کھولتا ہے بند کرتا ہے درِ زنداں
 بجائے یہ جو انگریزی میں مشہور اک کہاوت ہے

مبارک روز ہے نوروز ہے یہ سال بکرم کا
 نمایاں غیب کے پردے سے از خود شہ مہر ہے
 وہ پاکیزہ پڑھوں اب علم کی توصیف میں مطلع،
 کہیں جس کو سخنور گوہر دریائے فطرت ہے،
 مبارک ہیں وہ انسان - علم سے جنکو محبت ہے
 کہ علم آئینہ دار پر تو روئے حقیقت ہے
 اسی سے خاکیموں کے سینے ہو جاتے ہیں آئینے
 یہی صیقل جہاں میں دشمن زنگِ کدورت ہے
 دکھاتا ہے یہی عقبے کی راہیں اور دنیا کی
 یہی دو نو جہاں کی واسطے خضر طریقت ہے
 پہنچتے ہیں اسی سے منزل مقصودِ عرفان تک
 یہی اکمل ریاضت ہے یہی افضل عبادت ہے

اسی سے رازِ ترکیبِ نظامِ دہر کھلتا ہے
 نظر آتی اسی سے خالقِ اکبر کی قدرت ہے
 معزز ہیں زمانہیں اسی سے پیشرو اپنے
 اسی سے اُن کو حاصل امتیازِ اولیت ہے
 ابھی تک اک جہاں ہے قایلِ ذہنِ رساں کا
 جو پارینہ ورق ہے ہندو کا گنجِ حکمت ہے
 کہا جاتا ہے گو سغیرِ اسلام کو اُمّی
 مگر کیا خوب اُمت کے لئے اُنکی ہدایت ہے
 حصولِ علم کی خاطر اگر ہو چین تک جانا
 پہنچ جاؤ وہاں تک۔ راستہ گو پڑھو بیسے
 چلاتی ہیں بھروسے پر اسی کے کاروبار اپنا
 وہ قویں آج جنکے دستِ قدرت میں تجارت ہے

جہاں کے کارخانیں یہی استاد ہے پورا
 بغیر اس کے مکمل کوئی صنعت ہے نہ حرفت ہے
 اسی کے زور پر قائم ہے ان کا کرو فرسارا
 میسر آج جن اقوام کو معراج شوکت ہے
 فرنگستاں ہو یا جاپاں ہو امریکہ ہو کوئی ہو
 یہی قوموں کی غرت ہے ہم ہی ملکوں کی دولت ہے
 درِ دولت پہ چاکر آتشِ دُ آب ہوا تک ہیں
 اسی کے بل پہ انساں کی عناصر پر حکومت ہے
 فضیلتِ علم کی روشن ہے سب پر آفتاب آسا
 اب اس مطلع سے تا مقطع جہالت کی مذمت ہے
 جو انسان دہریں پابندِ زنجیر جہالت ہے
 جہاں اس کے لئے اے دوستو! زندانِ ظلم ہے

منور شمع دانش جب نہ ہو کاشانہٴ دل میں
 تو پھر دنیا میں دیکھو جس طرف طلعت ہی ظلمت ہے
 نکلیں ہے تابہ آخر چار دیواریِ عنصر میں
 خیالِ خام ناداں کو نہ رفعت ہے نہ وسعت ہے
 جو منظرِ جزا افسنا ہیں خود کی چشمِ بینا کو
 جہالت کے لئے انہیں ہر اک دنیا کی ہمیت ہے
 کسی سے کم ہیں افریقہ کے وحشی آدمیت میں
 اگر دو پاؤں پر چلنا ہی شرطِ آدمیت ہے
 جہالت خوابِ غفلت ہے جو جاہل ہیں غفل ہیں
 نتیجہ خوابِ غفلت کا تاسف ہے ندامت ہے
 سقر اور صحبتِ عالم کی خواہش کرتے ہیں دانا
 میسران کو جنت میں اگر جاہل کی صحبت ہے

وطن میں داغ ہے تو قیصرِ دامانِ وطن پر وہ
 سفر میں مردِ جاہل باعثِ تحقیقِ برکت ہے
 دئے گئے کو ناخن طالعِ ناساز نے گو یا
 اگر بعیلم کو دنیا میں حاصلِ گنجِ دولت ہے
 زوالِ بخت کی تصویرِ عبرت جانے اس کو
 ہمارے ملک میں جاہل امیرِ فکی جماعت ہے
 نہیں ہے اس سے بڑھ کر کوئی مصرفِ انکی دولت کا
 نہاں زیرِ زیریں ہے یا نثارِ بزمِ عشرت ہے
 یہ نبھاتے ہیں حاتم کے چھاڑوؤں کی محفل میں
 یتیموں کے لئے کہدو تو شل دستِ سخاوت ہے
 مشاغل وہ کہ شرماے شرافت دیکھ کر جن کو
 مصاحب ان کے وہ انسانیت کو جن کفر سے

یہ اپنے زعم میں محفوظ بیٹھے ہیں لب ساحل
 انہیں پروا ہے کیا۔ گر قوم غرقابِ فلاکت ہے
 انہیں اے کاش! اتنا وقت پر معلوم ہو جاتا
 کہ سر پر سب کے یکساں سایہ ابرِ نحوست ہے
 جہالت کی گھٹا ہندوستان کے سر سے ٹل جائے
 دعا محسروم کی اے حاجبِ بابِ احباب ہے

دربارِ دہلی کی آمد آمد

مزدملے دہلی اک پھر حبش کے سماں ہونگے
 جلوہ افسر و زیہاں قیصرِ زیشاں ہونگے
 چشمِ مشتاقِ تھی خو کر دہ دیدارِ شہاں
 اب نکلنے کو مچلتے ترے ارماں ہونگے
 جمع ہونگے طربِ عیش و نشاط و عشرت
 الم و رنج و غم و درد پریشاں ہونگے
 ہند کے راجہ مہاراجہ و نواب تمام
 پھر بصدِ شانِ تجلّٰی ترے مہاں ہونگے

پھر نیا عالمِ بگفتگی دیکھیں گے ہم
 پھر ترے کوچے بہ کردارِ گلستاں ہونگے
 ترے اقبال کے تارے وہ بنینگے سارے
 تلج شاہی میں جواہر جو درخشاں ہونگے
 تری قسمت کی سیاہی کو مٹانے کے لئے
 نظرِ فروزمہ و مہر چہرا غاں ہوں گے
 اثرِ جلوہ دربار سے وہ ویرانے
 جو کسی عہد میں شاہوں کے شہستاں ہونگے
 اور اب جن کے یکیں زیرِ زیں ہوتے ہیں
 وہ یکیں جن کے لئے عرش بہ پایاں ہونگے
 عالمِ نور و ظہور ان میں نظر آئیگا آج
 کہ جسے دیکھ کے دلِ روحوں کے فرحاں ہونگے

مہ و انجم کا جو دربار ہے شاید فلکی
 اسی دربار کے اجلال پہ نازاں ہونگے
 دیکھنا پھر کہ خجل اوج سما پر کیا کیا
 ز محل و مشتری وز ہرہ و کیواں ہونگے
 ان کی نظروں میں سما یگانہ دربار فلک
 دہلی مبارک کے انداز پہ قسریاں ہونگے
 یہ وہ دربارِ معلّے ہے کہ اے اہل نظر!
 اس کے جلووں پہ فدا انجم تاباں ہونگے
 قابل دید یہ دربارِ ہمایوں ہوگا
 جس کے دروازوں پہ چم مرتبہ درباں ہونگے
 اور وہ صاحبِ دربارِ ضیاء سے چسکی
 مہ و خورشیدِ فلک نورِ بدایاں ہونگے

جس سے کم حشمت و عدل و خرد و فکر تیس
 جم و اسکندر و کسے و سلیمان ہونگے
 بحر دبر جس کی اطاعت میں جھکتے ہیں سر
 اور یونہی جس کی رضا جوئی میں کوشاں ہونگے
 جس کے اوصاف کی مداح ہے ساری دنیا
 عرش پر بلکہ ملائک بھی نستا خواں ہونگے
 وہ نگہبان رعایا ہے زمانے بھر میں
 فضل و الطافِ خدا اس کے نگہباں ہونگے
 عہدِ پیشین کے شہنشاہوں کے جشن و دربار
 یادِ تجھ کو بہت اے گردِشِ دوراں ہونگے
 ایسا دربار مگر تو نے نہ دیکھا ہوگا
 بات یہ ان میں نہ ہوگی نہ یہ ساماں ہونگے

ایک اک قوم سے مخصوص رہے وہ دربار
 سب مگر اس میں طرب کوش بکیساں ہونگے
 چچ میں، دیر میں، مسجد میں دعائیں ہونگی
 شاد عیسائی و ہندو و مسلمان ہونگے!
 پھولے جاتے ہیں خمشی سے چمن ہند کے پھول
 کہ نثارِ رو شاہنشاہِ ہند دوراں ہونگے
 شاہ کے فیضِ گلِ نقش قدم سے اے ہندا
 غیرتِ باغِ جناں تیرے بیا بیاں ہونگے،
 ترے گلزار میں آئے گی بہارِ تازہ
 کہ یہاں سرِ ولایت کے خرا ماں ہونگے
 لبکے آئے گی یہاں ماہِ دسمبر میں بہار
 مقدمِ شاہ میں موسم بھی شتا بیاں ہونگے

گرم دل گرہ منے نقطہ ارہ سے ہونگے سیاح
کب وہ زحمت کشیں آزارِ رستاں ہونگے

بشاہدِ احمد! کہ مغرب سے اٹھا بڑے عطا
غلہ کیا گوہرِ نایاب بھی ارزاں ہونگے
موتی بر سائیکا وہ ہند پہ لے اہلِ وطن
اب سے بھی آپ سوا بندہ احساں ہونگے
فیضِ دربارِ شہِ کشورِ آزادی سے
مرغِ پرستہ صیاد پر افشاں ہونگے
سنتے ہیں ہونگے اسیرانِ وطن بھی آزاد
اُن کی آزادی پہ محسوس بھی شاد ہونگے!

تہنیت دربار دہلی

مژدہ باداے گلشن ہندوستان!
 آگئی تجھ میں بہارِ بے خنزاں
 کیوں بہارِ بے خنزاں تجھ میں نہ آئے
 ملتفت ہو جب کہ ایسا باغبان
 باغبانِ بوستانِ عدل و داد
 نخلبندِ گلشنِ امن و امان
 آفتابِ مشرقِ فرمانِ دہی
 قیصرِ ذی جاہ شاہِ جمِ نشان

مایہِ تزئینِ تختِ سلطنت
 آیہِ تمکینِ تاجِ ضوِ قشاں
 یادِ گارِ ملکہ و کٹوریا
 زینتِ شاہی و مخمرِ دودماں
 عرشِ رفعتِ جمِ حشمِ دارا خدَم
 جارج پنجمِ خدِ گیتیِ ستاں
 آستانِ پرہیز کی ہونیکو نثار
 راتدن گردش میں ہیں ساتِ آسمان
 جلوہ افکنِ تختِ دہلی پر ہے آج،
 تھی جو دہلی پائے تختِ راجگاں،
 دہلے مرحوم پھر زندہ ہوئی
 شاہ کے آنے سے آئی تن میں جاں

اے خوشا دہلی ترا بخت بلند
 شاہِ عالی مرتبت ہے میہماں
 منعقد تجھ میں ہے دربارِ شہی
 دیدنی ہوگی یہ تیری عنروشاں
 تجھ میں ہے وہ آفتابِ خسروی
 فی المثل تو ہے جوابِ آسماں
 منعکس ہو ہو کے نورِ انبساط
 ہند میں پہنچا بہر سو بیگیاں
 آج تبت سے کماری تک ہوئی
 موجِ برقی عیش و عشرت کی واں
 ہند کا ہر شہر ہے آراستہ
 ہر چمن ہر باغ ہے رشکِ جاناں

جشن شاہی کی خوشی میں شاد ہیں
 ہند کے سب کو دک و پیر و جواں
 ہر طرف ہنگامہ عشرت بپا
 ہر جگہ ہیں عید کی تیاریاں
 جھومتے ہیں جو شِ مستی میں نہال
 نغمہ عشرت نوائے طائراں
 ہیں مناتے اک طرف ہند و خوشی
 ہیں مسلمان اک طرف شادی کُناں
 دیر و مسجد میں دعائیں ہو گئیں
 از پئے جاہ و جلالِ مرزباں
 خوانِ بغیا ہے، مساکین کے لئے
 گرم پوششیں بہرِ سرما خور دگاں

قیصری تنے ملے اطفال کو
 ساتھ ہی بانٹی گئیں شیرینیاں
 ہر کہیں جلسے مبارکباد کے،
 ہر جگہ رنگ و فا کوئی عیاں
 ہر زبان پر ہے دعائے نجات شاہ
 ہر بیاں میں ہے صداقت کا نشان
 ہر لب واپر تبسم کی ہے موج
 ہر نظر سے فرحتِ دل ہے عیاں
 ہر گلِ بشگفتہ میں بوئے وفا
 ہر چمن میں نہر الفت کی رواں
 ہے دعائے صبحِ دم محروم کی
 سن لے تو اسے خالق ہر دو جہاں

ملکہ میسری و شاہ جارج پر
 ہو تری رحمت کا سایہ سائیاں
 بخش شہزادوں کو تو عمر طویل
 ہوں رعیت کے لئے آرام جاں
 ہند کو اس عہد میں اے کیردگار
 غیب سے دیدے حیاتِ جاوداں

مادرِ مجبور

ایک سچا واقعہ

کوئی دم کی میہاں ہوں جانِ مادرِ آؤ بھی
 رہ گیا آنکھوں میں دم میرا تک کر آؤ بھی
 جاں کنی کا وقت ہے اور جاں نکلسکتی نہیں
 سینہ سوزاں پہ ہے فرقت کا پتھر آؤ بھی
 نزع کی گھڑیاں ہیں میری آتما بچیں ہے
 آؤ بھی اب اے قرارِ قلبِ مضطرب آؤ بھی

دیکھ کر تم کو نہ روؤں گی میرے نورِ نظر!
 روتے روتے خشک ہیں اب یہ تڑاؤ بھی
 اپنے اپنے گھر کو واپس ہوتے ہیں سب شام کو
 اب تو شام عمر ہے میری کہیں گھر آؤ بھی
 منتظرِ کبتک رہوں۔ ٹالوں قضا کو کبتک
 منہ دکھاؤ گے گرفتارِ بلا کو کبتک
 رُوحِ مضطر ٹھو کریں کھاتی جھٹکتی جائیگی
 آہ! اس دنیا کو جسمیں تو ہے تکتی جائیگی
 تُوں کے آنسو میں کفن میں بھی بہاتی جاؤنگی
 حسرتِ دیدار آنکھوں سے ٹپکتی جائیگی!
 دیکھ کر آغوشِ مہمہ ما درِی کو مراد
 بے بسی ار تھی یہ میری سرپٹکتی جائیگی

بجھ نہ جائیگی جلا کر مجھ کو اے اہل جہاں!
 ماتا کی آگ محشر تک بھڑکتی جائیگی
 دوسری دنیا میں بھی تیر جہدائی کی آنی
 پہلوئے مجروح میں یونہی کھٹکتی جائیگی،
 وائے مجبوری! کہ مرتی مادر ہجور ہے
 اور بیچارہ پس زندانے مجبور ہے!
 ضبط سے اب کام میرے لال! گزرا جائے ہو
 کوئی دم میں آخری بچکی کا جھٹکا آئے ہے
 شانتی کی موت مجھ کو کاش! ہو جاتی نصیب
 کیا کروں تیری جدائی کا قلق تڑپائے ہے
 سہل ہو جائے کسی صورت نکلنا جان کا
 کاش جھوٹوں ہی کوئی کہدے کہ بٹو آئے ہے

آہ! بدلے آسماں نے مجھ سے کس دن کیلئے
 آخری ساعت میں یہ صدمے مجھے دکھلائے
 آہ! میں سنتی ہوں تیرے نالہ زنجیر کو
 ورنہ کیوں لب پر مرے ہر وقت ہائے ہائے
 دو جگہ پر میری جان نا تو اس مشکل میں ہے
 کچھ یہاں مشکل میں ہے اور کچھ وہاں مشکل میں ہے
 جان مادرا تجھ کو ملجاتی اجازت کا شکے
 ڈال دیتا وہ کسی کے دل میں شفقت کا شکے
 کاش! تو آرام جاں ہوتا نظر کے سامنے
 جاں نکل جاتی بصد آرام و راحت کا شکے!
 آہ! مجھ دکھیا کے نالے ہی پہنچ جاتے وہاں
 اور ہوتی عرصہ محشر عدالت کا شکے!

✓ آہ! مرنا بھی ہے مشکل اور جینا بھی محال
 ✓ آسماں دیتا نہ یہ دو گونہ دقت کا شکہ!
 بند ہو جائیکو ہیں آنکھیں ہمیشہ کے لئے
 دیکھ لیتی ہیں ترا منہ وقتِ رحلت کا شکہ!
 داغِ حسرت آہ! پہلو میں لئے جاتی ہوں میں!
 کس طرف جاتی ہوں یا رب کس لئے جاتی ہوں میں!

پیغام شہنشاہی

زہے طالع! کہ پیغامِ شہنشاہِ ہندوستان آیا
 دلوں کو شاد کر تا جوں نسیمِ گلستاں آیا
 کلاہِ افتخارِ ہند پہنچی آسمانوں تک
 پیغامِ اوجِ بخشِ فخرِ شاہانِ جہاں آیا
 کھلتا تاریخِ ملکِ ہند میں نو بابِ آزادی
 نظامِ سلطنت بدلائیا دورِ زماں آیا
 اسیرانِ وطن قیدِ بلا سے یک بیک چھوٹے
 کہ شاہنشاہ کا پیغامِ آزادی نشان آیا

نئی جاں آگئی پھر بھارت مجروح کے تن میں
 پیام شاہ ہو کر مرہم زخم نہاں آیا
 ہمیں وکٹوریا کے خاندان سے تھی امید ایسی
 کہ حریت کا حامی دہر میں یہ خاندان آیا
 پڑھا محروم میں نے جب یہ پیغام شہنشاہی
 زباں پر میری شکر خالق ہر دو جہاں آیا!

تقریظِ منظوم

بر مثنوی سحر

اے سحر! فسونِ طرازِ معنی!
 اے صاحبِ امتیازِ معنی
 لکھتی ہے یہ تو نے مثنوی خوب
 دلچسپ، نظرِ فریب، مرغوب!
 یہ عشق کی داستانِ دلکش
 اور اس پہ تیرا بیانِ دلکش!

دکھلائے ہیں لطفِ فن سے تو نے
 کیا حُسنِ کلام کے نمونے
 دُشِینت و شکستہ کی رُوداد
 ہے لائقِ صَد قابلِ داد
 ارژنگِ سخن یہ مثنوی ہے،
 یہ حُسنِ بیاں یہ شاعری ہے!
 تصویرِ مستِ اظہرِ دلِ افروز
 تسکینِ دہِ عاشقانِ دلِ سوز
 آمد کے بہاؤ پر رواں ہے
 دریا ئے لطافتِ بیاں ہے
 جاں بخش بھی دلگداز بھی ہے،
 ہے سوز بھی اس میں ساز بھی ہے

تمہیدِ فراق جاں گزا ہے
 تقریبِ وصالِ دل فرا ہے
 نغمے ہیں سرورِ پاش اس میں
 نالے ہیں جگرِ خراش اس میں
 جلوئے کہیں اس میں بزم کے ہیں
 نقشے کہیں اس میں رزم کے ہیں
 امکاں کا ہے گو ظہور اُس میں
 عرفاں کا بھی ہے سرور اس میں
 محروم زیادہ کیا لکھوں میں
 زیبا ہے جو اس قدر کہوں میں
 یہ نظم وہ ہے کہ جس کو سن کر
 ہو روحِ لایم شاد یکسر

قطعہ

شہد کے مشاعرہ ۱۹۲۵ء میں یہ قطعہ اپنی نظم

پڑھنے سے چنڈنٹ پہلے لکھا گیا۔ اور نظم سے پہلے

تمہیداً پڑھا گیا

کہاں ہم اور کہاں بزم ادیبانِ سخن پرور

طریقِ تغز کوئی راجہ داند مردِ صحرائی

کہاں شملہ کہاں دشت و بیابانِ میانوالی

تجربِ خیز گرما میں ہوئے سامانِ سرمائی

دلِ افسردہ میں ذوق تماشا بھی کہاں ایتنا

کہ بے برگ و نوائی کو نہ ہوتا وہمِ رسوائی

پہاڑوں کی بلندی دیکھنے گھر سے نکلتے کیوں
 تختیل کو میسر کب نہیں تھی عرشِ پیائی
 نہیں محروم باعث اور کوئی شملہ آنے کا
 محبتِ شخصِ صاحب کی یہاں تک کھینچ کر لائی

اٹھ ہا رہم

ایک نیکدل ڈاکٹر کی تبدیلی

مطیعِ دل پہ اُداسی کی گھٹا چھائی ہے
 شبِ ہجراں کی سیاہی سی نظر آئی ہے
 پڑ گئی اوس یہ کیا شہر و چمن پر یارب!
 صورتِ مردم و گل کس لئے مڑ بھائی ہے

شہر میں منظرِ بیر و نقے صحرا ہے
 سیر بازار ہے یا بادِ یہ پیمائی ہے
 خندہ زن پھول گلستاں میں تھے کل تک آج
 نوبتِ چاکِ گریبانِ قبا آئی ہے
 سر و گلزار میں کل تک تو چاں تھے لیکن
 دشمنِ مشقِ خرام آج گراں پائی ہے
 بزمِ احباب میں رونق ہے نہ وہ جوشِ مخروش
 یہ کوئی بزم ہے یا گوشہٗ تنہائی ہے
 الوداع آئے ہیں کہنے کسے احباب کہ آج
 وقفِ صد مہرِ خموشی لبِ گویائی ہے
 شعر کیا پڑھئے کہ ہر لفظ ہے اک دفترِ غم
 وجہِ افسردگئے دل سخن آرائی ہے

ایک محبوبِ دلِ خلق کی رخصت کا دن
 باعثِ رخصتِ ایامِ شکیبائی ہے
 تندرست آج ہیں بیمار کہ وہ جاتے ہیں
 جاں سے بیمار ہیں بیزار کہ وہ جاتے ہیں!
 دلِ رنجور تجھے چین بھلا کیا آئے
 چارہ گر جبکہ نظر کوئی نہ اُٹسا آئے
 راینصاحب کو خدا نے وہ دیا دستِ شفا
 سامنے جس کے نہ ہرگز یدِ مبضیا آئے
 ایک دم میں سرخ بیمار پہ آئی رونق
 آپ آئے سرِ بالیں کہ مسیحا آئے
 سامنے آپ کے سل جاتے ہیں لباس کے بھی
 زخم جو سوزنِ تقدیر پہ ہٹتا آئے

حکمت ایسی انہیں فیاضِ ازل نے بخشی
 رشک سقراط کو آئے تو نہ بجا آئے
 ان فضائل پہ اضافہ وہ خصائل ہیں جنہیں
 سیکھنے عرشِ معلّے سے فرشتہ آئے
 صورت و سیرت مقبول جو دیکھے انکی
 نظر اللہ کی قدرت کا متا شا آئے
 ایسے انسان کہاں ملتے ہیں انسانوں میں
 روح بنکر جو سما جاتے ہیں سب جانوں میں
 جو نویدِ عملِ صدق و صفا دیتے ہیں
 فطرتِ قدسے آدم کا پتا دیتے ہیں
 شاخِ پُرمیوہ کی مانند سعادت پا کر
 گردنِ عجزِ سوئے خاک جھکا دیتے ہیں

سب کی نظروں میں سما جاتے ہیں ایسے نسا
 تفرقے مذہب و ملت کے مٹا دیتے ہیں
 جس طرح دیکھتے ہو آج یہاں کا نقشہ
 اپنی فرقت سے وہ لوگوں کو رلا دیتے ہیں
 رائے صاحب پر ہے سائے الطافِ خدا
 وہ دوا دیتے تھے ہم ان کو دوا دیتے ہیں
 دہریں پھولیں پھلین، صاحبِ اقبال رہیں
 اے خدا! خلق کے ہمدردِ مہ و سال رہیں!

شامِ جدائی

رفتی احمد سعید صاحبِ پتی - اے - ایس کی تبدیلی پر
 ہمیں دھڑکا تھا جس کا آگئی وہ غم کی شامِ آخر
 سنایا دورِ گردوں نے جدائی کا پیامِ آخر!
 یہ ضد اے گردِ دُشِ دوراں! بھلا کیوں ہم غیریوں سے
 جو نا منظور تھا ہم کو، کیا وہ تو نے کامِ آخر
 سرِ شکِ خوئے نہ کیوں کر یادِ گارِ رنگِ محفل ہو
 گیا وہ ساقیِ رنگیں، ہوا وہ دورِ جامِ آخر!
 کسی کو اس دنیا میں نہیں یزیدِ فراغِ آئی
 جو بیٹھا شادماں ہو کر، اٹھا وہ تلخ کامِ آخر!

مست کی فضا میں اے مقدر! کیوں اڑنا تھا
 اگر کرنا تھا مرغِ دل کو بے کل زیرِ دامِ آخر
 اگر انجامِ حسرت ہے ہر اک دیرینہ صحبت کا
 تو کس برتے پہ ہیں دل سوزیو کے استہامِ آخر
 ہماری شاعری کا قدرِ داں تھا اک وہ جاتا ہے
 گئے اب شعر کے چرچے، ہو لطفِ کلامِ آخر!
 چہ حسرت خیز شامِ رخصتِ احمد سعید آمد
 کہ از ہر ذرّہ خاک کے دلِ تالاں پدید آمد!

بچوں کی موت

توڑتا ہے کس لئے غنچوں کو گلچینِ اجل
 کس سے پوچھیں آہ! کیا ہے طرزِ آئینِ اجل

ننھے معصوموں کی جانوں پر عذابِ جانگنی
 پھول سے اجسامِ نذرِ التہابِ جانگنی
 آہ! ہنستے کھیلتے خاموش ہو جاتے ہیں یہ
 جس سے پھر اُٹھتے نہیں وہ نیند سو جاتے ہیں
 اپنے بیگانوں کا دل رہتا ہے جسے باغِ داغ
 دیکھئے ان کے جگر جنکو یہ دیکھتے ہیں داغ
 تا دمِ آخر جدائی کے ستم سہتے ہیں وہ
 مر نہیں جاتے ہیں پر زندہ نہیں کیہ رہتے ہیں!
 انکے اُجڑے باغ میں فصلِ بہار آتی نہیں،
 گھر کے بام و در سے اُٹھتی ہے یہ فریادِ خیریں
 ”پھول تو دو دن بہارِ جانِ نفسِ ناز دکھدا گئے
 حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مڑھدا گئے!“

تضمینات

تہنیت نوروز

تضمین بر اشعارِ مکرمی منشی بہارِ ج بہادر برق بی۔ اے دہلوی

خورشیدِ سالِ نو ہے کہ ہے جامِ انبساط
 کیا قالِ نیک ہے پئے ایامِ انبساط
 آئینگے پے بہ پئے سحر و شامِ انبساط
 نوروز لے کے آیا ہے پیغامِ انبساط
 ہو رشکِ صبحِ عید یہ روشن سحرِ مجھے!
 جاں بخش تجھ کو دہر کی آب و ہوا رہے
 باغِ جہاں میں نخلِ تمنا ہر ارہے

دل پر بہار تازہ کا عالم سدا رہے
 دامنِ گلِ مراد سے تیرا بھسار ہے
 آمد ہو سال نو کی مسرت اثر تجھے!
 فرحتِ وہ ریاض جہاں مثلِ بُور ہے
 دم تیرا تازشِ چمنِ آرزو رہے
 مانندِ گلِ شگفتہ دل و تازہ رُو رہے
 محفوظِ چشمِ زخمِ زمانہ سے تُو رہے
 پہنچا سکے نہ تیغِ حوادثِ خسرو تجھے!
 روشنِ دلی میں شمعِ سراجِ جن ہو تو
 آزادہ رُو مشالِ نسیمِ چمن ہو تو
 تازہ کنِ مسرتِ بزمِ کہن ہو تو
 سرمستِ ساغرِ مے حبِ وطن ہو تو

ہوں اس کے گھونٹ راحت قلب و جگر تجھے!

ہو کر قدائے اہل وطن شاد شاد جی

ایسے میں موت آئے تو ہے اصل زندگی

حق سے ہے تیرے حق میں مری تو دعا ہی

خدمت میں تو وطن کی رہے مجھ بخودی

اس کے سوانہ آئے خیالِ دگر تجھے!

تیری نظر میں فکر کم و بیش ہوزیوں

کم بھی ملے تو شکرِ خداوند ہو فزوں

گل کی طرح نہ زر کے لئے دل تراہوؤں

حاصل تجھے متاعِ قناعت سے ہو سکوں

رکھے نہ مضطرب ہو پس مال و زر تجھے!

ہر صبح سال نو ہو تجھے صبحِ نو بہار
 ہر شام شامِ وصلِ عزیزانِ غمگسار
 کلفت ہو دُورِ دل ہو مسرت سے ہمکنار
 راحت ملے۔ ہولے زمانہ ہو سازگار
 راس آئے برق کی یہ دعاء سربِ برجے!

فردوسِ ہند

(تضمین بر شو حضرت آزاد مولفِ خزانہ عامہ)

طویل ہے ایک اک شجرِ گلستانِ ہند
 کوثر ہے اسبیل ہے آبِ روانِ ہند

خور و پری سے کم نہیں ہرگز بتان ہند
 گرنیت از بہشت فزوں بوستان ہند
 آدم ز ناز و نعمتِ جنت چساں گذشت
 ہمپایہ ملائکہ تھے قدسیان ہند
 شرمندہ ساز جنتِ ماوے تھی شان ہند
 کہتے ہیں لوگ اب بھی دم امتحان ہند
 گرنیت از بہشت فزوں بوستان ہند
 آدم ز ناز و نعمتِ جنت چساں گذشت
 جنت کی آرزو نہ کریں ساکنان ہند
 مگر بھی یہ دعا ہو کہ رہتے میان ہند
 فردوس کیا ہے دوستو! پیشِ جنان ہند
 گرنیت از بہشت فزوں بوستان ہند

آدم ز ناز و نعمتِ جنت چساں گذشت

امام ہند

ڈاکٹر شریخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کے اشعار پر تفسیریں

چلتا ہے دور بادۂ عرفاں بکام ہند
ہیں واقفِ سرورِ ازل خاصِ عام ہند
بالا ہے نرم پیرِ مغاں میں مقام ہند
لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جام ہند
سب فلسفی ہیں خطۂ مغرب کے رام ہند

وہ ہند کے بلند خیالان یا خبر
 رہتی تھی جن کی ہفت سماوات پر نظر
 دیکھے پڑے تھے سب رحل و نہرہ و قمر
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر
 رفعت میں آسماں سے بھی اونچا ہے بام ہند!
 دل کو نہ ہونے دیتے تھے شیدائے ننگ و خشت
 انکی سرشت پاک سے تھا دورِ فعل و رشت
 یہ خطہ اس زمانے میں تھا واقعی بہشت
 اس دیش میں موعے ہیں ہزاروں ملک و سرشت
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند!
 جس طرح ماہ و مہر کو ہے آسماں پہ ناز
 اور نور پر ہے مہر و مہر و فشاں کو ناز

جس طرح درو لعل پہ ہے بحر و کاں کو ناز
 ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کو ناز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند! ✓
 پھیلی جو آ کے شمع صداقت کی روشنی
 باطل کی راہ راہِ عدم ڈھونڈنے لگی
 مدت ہوئی، مگر میں ابھی جھلکیاں وہی
 اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
 روشن تر از سحر ہے زمانے میں شام ہند!

تخلیق مقاصد

(تضمین بر شعر ڈاکٹر اقبال)

ماکہ ہر سُرور و شب تازندہ ایم منزلیں را در جہاں جویندہ ایم
تازہ بر جویندہ و یابیندہ ایم از وجودِ خوشن شرمندہ ایم

ماز تخلیق مقاصد زندہ ایم

از شعاع آرزو تابندہ ایم!

مقصدِ مہر و مہ تاباں کو دیکھ مدعائے انجمِ رخشاں کو دیکھ
فرضِ ابر و صر و باراں کو دیکھ پھر کمالِ مطلبِ انساں کو دیکھ

ماز تخلیق مقاصد زندہ ایم

از شعاع آرزو تابندہ ایم!

یہ نہ کہئے مدعا کوئی نہیں دل کو گھیرے مدعا کوئی نہیں

جو نہ رکھے مدعا کوئی نہیں دل یہاں بے مدعا کوئی نہیں

ماز تخلیق مقاصد زندہ ایم

از شعاع آرزو تابندہ ایم!

بیدلی افسردگی اچھی نہیں جسم و دل کی کاہلی اچھی نہیں

بات ترکِ فعل کی اچھی نہیں بے مقاصد زندگی اچھی نہیں

ماز تخلیق مقاصد زندہ ایم

از شعاع آرزو تابندہ ایم!

کیا پہاڑوں میں حجر بڑھتے نہیں؟ یا کہ جنگل میں شجر بڑھتے نہیں

چرخ پر شمس و قمر بڑھتے نہیں؟ حیف ہے انسان اگر بڑھتے نہیں

ماز تخلیق مقاصد زندہ ایم

از شعاع آرزو تابندہ ایم!

مقصدِ اعلیٰ ہے اعلیٰ زندگی مقصدِ ادنیٰ ہے ادنیٰ زندگی
 جب نہ ہو مقصد تو پھر کیا زندگی موت ہے یہ بے تمنا زندگی
 مازِ تخلیق مقاصدِ زندہ ایم
 از شعاع آرزو تابندہ ایم!

جوئے نالاں

(سراقبال کے ایک شعر کی تفسیر)

انڈاخت در دم در رگزاراں از چارہ رفتن اے چارہ کاراں
 ہم اشکر نیاں ہم رہ سپاراں بے رازداراں بے غمگساراں
 ”جانم در آویخت بار و زگاراں
 جوئے است نالاں در کوہساراں!“

آغاز پنہاں انجام پنہاں مشکوک وہ بھی جو کچھ نمایاں
راہ سفر ہے بے حد و پایاں تشویق نالاں تحقیق حیراں

”جانم در آویخت باروزگاراں

جوئے است نالاں در کوہساراں“

بیچارگی پر میری تبسم! بالانشینو! ہنستے رہو تم
تصویر کے نقش! ہیں ماہ و انجم ظاہر ہویدار معنی مگر گم!

”جانم در آویخت باروزگاراں

جوئے است نالاں در کوہساراں“

دور مسلسل شام و سحر کا آیا کدھر سے؟ عازم کدھر کا
کچھ ہے بھی یا ہے دھوکا نظر کا ساتھی بناؤں کس کو سفر کا؟

”جانم در آویخت باروزگاراں

جوئے است نالاں در کوہساراں“

رنگیں ہیں نغمے خونیں ہیں نالے ہنس مٹس کے روتے ہیں سُننے والے
 بے ساز ہیں گل بے سوز لالے اک سو ہے سبزہ دامن بنبھالے
 ”جاںم در آویخت باروز گاراں
 جوئے است تالاں درد کوہساراں!“

بِت کے بندے

تضمین بر شعر حضرت اکبر الہ آبادی،
 مولیں غم کوئی در خوردِ ممتنانہ بلا
 پئے بیمارے دل کوئی مسیجانہ بلا
 ہر بشر کہنے کو یاں عشق کا افسانہ بلا
 کوئی اے دردِ حقیقی! ترا جو یا نہ بلا

جس سے دل اپنا بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

عاشق شوکت و اجلال و حشم ہیں لاکھوں

طالب تاج زر و طبل و علم ہیں لاکھوں

اور جادو زدہ نقشِ درم ہیں لاکھوں

یونہی وارفہ اندازِ صنم ہیں لاکھوں

جس سے دل اپنا بہلتا کوئی ایسا نہ ملا ،

بت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا ،

دیر تو خیر اسیرانِ صنم کا گھر تھا

ہم نے کبے میں بھی دیکھا تو یہی پتھر تھا

باتِ آخر وہی پیشِ آئی کہ جس کا ڈر تھا

یعنی وہ سنگ تھا اور خلقِ خدا کا سر تھا

جس سے دل اپنا بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بُت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

پرہیزگاری

دنیا میں آج حیف کہ بازارِ اتقا
گر مئے مُسکرات کے باعث پڑا ہے سرد
رشیوں کی سرزمین تھا یہ ہندوستان پر آج
ملتا نہیں ہے ڈھونڈے سے پرہیزگار مرد
خوفِ خدا ہے دل میں نہ آنکھوں میں شرمِ ہر
اہلِ وطن کے حال پہ روتے ہیں اہلِ درد

شاعر ہیں کرتے پھرتے علانیہ وصفِ مے
 ابلیس دلفریب ہوا بن کے سرخ وزرد
 عجبے کا کچھ خیال اگر تیرے دل میں ہے
 لکھ لورج دل پہ بلبُل شیراز کا یہ فرد
 پُرہیز گارِ باش کہ دا دارِ آسماں
 فردوس جائے مردم پر ہمیں گارِ کرد

سوئے دوست

(ایک فارسی شاعر کی تفسیر،)

نامُیدی کی ہزاروں ٹھوکریں کھاتا ہوا
 ان کے کوچے سے چلا میں دل کو سمجھاتا ہوا

مشعلِ دانش سے دکھلاتا طریقِ نیک بد
 اس گلی سے جا چکا ہے یارِ ہمتا کام تو
 پھر بھی ہے مجھ فریبِ گردشِ ایام تو
 ہو چکی رسوائیوں - ناکامیوں کی اب قہد
 ہو چکیں کتنی جفائیں تجھ پہ اسے ناکامِ عشق،
 مصلحت سے کام لے اور اب نہ لے تو نامِ عشق
 دامِ الفت سے رہائی کیلئے کر جہد
 دل نے برا فرسخہ ہو کر دیا ایسا جواب
 بن نہ آیا مجھ سے کوئی اس کی باتوں کا جواب
 مصرعہِ اول پہ چمپت ہو گیا پیرِ خرد
 مجھ کو مقتل بھی ہے مامن بھی ہے ناداں کوئے دوست
 "میگر یزیم از جفائے دوست لیکن سوئے دوست

چوں شررِ خونم نہاں در تیغِ قاتل میشوؤ

سخت نادان

ذکرِ اورنگِ زیبِ عالمگیر
شورشِ افزائے بزمِ ویرانِ هست
غصّہ بر کرو ہاشمِ ہندو را
مسلمِ اورا بدلِ ثنا خوانِ است
سُخنِ برہمنِ سناں تمثال
نفسِ شیخِ شعلہ سامانِ هست

اندرین حال قولِ ابنِ پیمبر
 در حقِ بہند و مسلمان است
 ”ہر کہ با زندہ از پئے مردہ
 می‌کند جنگ سخت نادان است“

تضمین

(غزل جگر بریلوی)

موت اب باعثِ ہراس نہیں زندگی موجبِ سپاس نہیں
 تا قیاس اتہائے یاس نہیں تم نہیں پاس کوئی پاس نہیں
 اب مجھے زندگی کی آس نہیں!
 دیکھئے موت رنگ کیا لائے وقفِ تسکین کرے کہ تڑپائے
 ڈر ہے وقتِ اخیرِ جب آئے کشمکش میں نہ رومح پڑ جائے
 یوں تو مرنے کا کچھ ہراس نہیں!

گوزباں پر ہے ”ہرچہ باد اباد“ مطمئن کب ہے خاطر ناشاد
 کار دنیا ہوا۔ نہ فکرِ معاد عمر سی عمر ہو گئی بر باد
 دلِ ناداں عبث اُداس نہیں!

ماتمی ہی فضا ہے دنیا ہے یا کوئی ہولناک صحرا ہے
 ہر نفس دشمنِ تمنا ہے سانس لینے میں درد ہوتا ہے
 اب ہوا زندگی کی راس نہیں!

دامنِ زیست چاک ہونید قصہ ہوتا ہے پاک ہونید
 خاک کو تابناک ہونید راہ میں اپنی خاک ہونید
 اور کچھ میسری التماس نہیں!

آگ تھا آگ یہ دلِ مضطر نظر آتا ہے اب جو خاکستر
 پوچھ محسوسِ زار سے جا کر کیا بتاؤں مالِ شوقِ جگر
 آہ! قائم مرے حواس نہیں!

بحرم ہنر

نہیں شکایتِ تری ویرِ حاسدِ پُرفن
 نہیں ہے شکوہ بیدادِ دوائے دورِ زمن
 عدو عیشِ مقدر نہ آسماں دشمن
 بود بحرم ہنر جملہ تنگ عیشے من
 گرہ چو آئینہ دارم بہ دل ز جو ہر خویش

رُباعیات و قطعات

بد مرقوم

داد سخن از جناب اکبر الہ آبادی

رباعی

ہے داد کا مستحق کلامِ محروم لفظوں کا جمال اور معانی کا نجوم
ہے اُن کا سخن مفید و دانش آموز انکی نظموں کی ہے بجائے ملک میں ہوم

شکریہ داد سخن از محروم

رباعی

طبع موزوں خدائے برتر سے ملی تاثیر کلامِ قلبِ مضطر سے ملی
آیا مجھ کو یقین کہ شاعرِ مہو نہیں جب داد سخن جناب اکبر سے ملی

رباعیات

کیا ابر بہار جھوم کر آیا ہے دامن میں پئے زمین گہر لایا ہے
ابرو یاراں پہ کسکو حاصل قدرت رحمت تیری ہے جس نے برسایا ہے

۲

ہنگامہ ترا ہی گرم ہر اک سُو ہے تیرے دم سے ہے جتنی ہانپو ہے
دل سے پیہم ہی صدا اٹھتی ہے تو ہی تو ہے جہاں میں قہ ہی قہ ہے

۳

معدوم اسے نہ جان جو ہے مستور ظلمت کے مقابلے میں موجود ہے نور
اے منکر ذاتِ حق! ذرا کھول آنکھیں فانی ہم ہیں تو کوئی باقی ہے ضرور

۴

دنیا میں برائے مردم کم مقدّم
اہل شوکت ہیں باعثِ صد آزار
راہوں میں ہر وان منزل کیلئے
اُڑتی ہوئی گرد چھوڑ جاتے ہیں سوار!

۵

اس سے تو دل و دماغ ہونگے بہتر
ہاتھ آئیگا کیا بہت کتابیں پڑھکر
آنکھیں روشن ہوں اور دل نورانی
ڈال ایک نظر صحیفہ فطرت پر!

۶

اُڑ جائیگا رنگِ حُسن رنگیں آیدل!
دولت بھی نہیں ثباتِ آئین آیدل!
فانی اشیاء کی جب تلک ہے خواہش
حاصل ہوگی نہ تجھ کو تسکینِ دل!

۷

جو کچھ کہ ہے مستعارِ دیتی دُنیا
ہے وقت سفرِ سنبھال لیتی دُنیا
دانا ہے تو ختمِ خیر ہوئے جا تو
آخر ہے آخرت کی کھیتی دُنیا!

۸

جو تارکِ اِبابِ جہاں ہوتا ہے غم اس کو دہمِ مرگ کہاں ہوتا ہے
دنیا کو سمجھتا ہے سرے کی طرح خود مثلِ مسافر گزراں ہوتا ہے !

۹

رُتبوں میں سائےِ راحتِ آرام نہیں معزول کہیں گردشِ ایام نہیں
کس اوج پر اُترتے ہیں بادلِ محروم رو نیکی سوا انکو کوئی کام نہیں !

۱۰

کیوں دارِ فنا کو جائےِ راحت سمجھے اور ملکِ بقا کو دارِ آفت سمجھے
محروم سمجھ ہے کچھ تہاری اُلٹی غربت کو وطن، وطن کو غربت سمجھے !

۱۱

جمعیتِ دل کا کوئی ساماں کرے جو مجمعِ یاس کو پریشاں کر دے
آساں کو کیا ہے بختِ بد نے مشکل یارب ! مری مشکلوں کو آساں کر دے !

۱۲

کس کام کی شے گفتگی مصنوعی رونے کا مقام ہے ہنسی مصنوعی
دل کو حاصل ہو کیا تصنع سے فراغ کھلتی دیکھی نہیں کلی مصنوعی!

۱۳

ہر چیز اگر تپا ہوئی مصنوعی تو اپنی بناناہ زندگی مصنوعی
صنعت کو فروغ کہے قدرت پر آڑا کر کے گرگی یہ پری مصنوعی!

۱۴

ہے صبح بہار جلوہ افکن محروم باغ جنت ہوا ہے گلشن محروم
یہ جوش بہاریہ و فور گل ملے تو یوں سے چلا ہے خالی دامن محروم!

۱۵

ہے ہے کیا دانشیں ادائے گل ہے زینت بخش چمن بقائے گل ہے۔
کیا حسن ہے کیا لطافت اللہ! اے ولے کہ مختصر بقائے گل ہے!

۱۶

ایک دوست نے لاہور سے نرگس کے پھول بھیجے - رستے میں کٹا گئے

یہ رباعی ان پھولوں کی رسید میں لکھی گئی

ایدوست! چہ گویت کز گس محب مرد واں تازگیش ہوا دوراں چول برو
لاریب رسید تا بہ اینجا شاداب چشمے بر حال من کشود و افسرد

۱۷

الف! کا چمن اُجر گیا ہے یارب رنگ گل پھیکا پڑ گیا ہے یارب!
گلشن میں چلی ہوئے نخت الیسی ہر غنچے کا منہ بکڑ گیا ہے یارب!

۱۸

محروم بہارِ نوجوانی کب تک فانی ہے جہانِ زندگانی کب تک!
تنگ آکے کر یگی قافیہ موتِ کند یہ طبعِ روان و شعرِ خوانی کب تک!

قطعه

ترجمه از انگریزی

مرد را پیر و دل عهدِ شباب گشت پیرانه گر خیال او
 زن جوانست اگر چه پیره بود هست قایم اگر جمال او

۲۰

قطعه

شاعر استم بغیر فکر سخن بهیچ فکر دیگر ندانم کرد
 میبهد محنتم زمانه عبث بلبلم کارِ خرد ندانم کرد

قطع

ترجمہ از سنسکرت

اس پرندے کی طرح دنیا میں رہنا چاہئے
 چھپاتا ہے خوشی سے جو کہ نازک شاخ پر
 جھولتی ہے شاخ لیکن خوف کچھ اس کو نہیں
 گر نہیں سکتا کہ میں موجود اُڑ جانے کو پرا

قطر

ترجمہ از انگریزی

مصرفِ کارِ نیک رہو تم تمام دن
 تاشب کو پاؤ لذتِ فردوس خواب میں
 پیری میں رہنا چاہو اگر نو جوان تم
 دامنِ کارِ خیر نہ چھوڑو شباب میں
 وہ طرزِ زیست ہو کہ جو مانگو دعا کبھی
 ہو غیب سے نہ یاس ہوید اُجواب میں

اغلاط نامہ کلام محروم

صحیح	غلط	نمبر سطر	نمبر صفحہ
اصلا	اسلا	۱۱	۲
نازنیناں	نازمیناں	۳	۳
پڑھاتا ہے	پڑ جاتا ہو	۵	۱۵
آئینہ	آئینہ	۴	۱۸
تری	تیری	۳	۳۲
چاہئے	چاہئے	۱۰	۳۳
ترا	تیرا	۴	۴۷
ترے	تیرے	۴	۶۹
بیجان	بیجان	۳	۹۷
لائی	آئی	۶	۰
خوں	خون	۱۱	۱۰۴

نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح
۱۰۷	۹	کا	کے
۱۲۶	۶	صبا ئے	صہبا ئے
۱۳۵	۱۰	ترے	تیرے
"	۱۲	ے	ہے
۱۶۲	۸-۱۰	پانی - رُوج	پاتی - اُوج
۱۶۴	۳	چھپ لاکھ	چھپ کے لاکھ
۱۸۰	۳	درد	دردِ
۱۸۵	۱۱	ترا	تیرا
۱۸۶	۴	دلبر	دلبر
۱۹۶	۸	ہے	سے
۱۹۸	۳	سے	ہے
۲۰۵	۱۱	اُڑاتا	اُڑتا
۲۱۴	۶	خوشی	خوش
۲۷۰	۱	روتی اور	روتی تھی اور
"	۷	تھے آپ	تھے کہ آپ
۲۷۹	۵	دعویٰ	دعویٰ

نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح
۳۱۷	۶	گُل	کل
۳۶۹	۳	تیری	تڑی
"	۴	تیری	تڑی
۳۷۴	۸	خاک اڑتی	خاک اڑاتی
۳۷۵	۱	لہلہاتے	لہلہائے
۳۷۶	۵	فلک	اوج فلک
۳۷۸	۱۱	تیرے	ترے
۳۸۰	۷	پر اسرار	پر اسرار
"	۸	نہر	مہر
۳۸۱	۸	تیرے	ترے
۳۹۸	۶	کہیں	کہیں
۴۰۱	۱۰	بہار گل	بہار گل
۴۰۲	۹	بجھائیں	بجھائیں گے
۴۱۴	۷	اب	لب
۴۱۸	۱۲	کھپلتی	کھپلتی

نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح
۴۲۸	۷	جان	جاں
۴۳۸	۱	پرواز	پرواز
۴۴۶	۶	اثر	اثر
۴۶۹	۱	امکی	امکی
"	۷	نظر	نظر
۴۷۶	۴	رقات	رفافت
۴۷۸	۴	فطرت	فطرت
۴۸۰	۱۱	السان	السان
۴۸۱	۵	خرد	خرد
۵۱۷	۵	تنازش	نازش
۲۵۶	۱	مرغان ہوا مائتم	مرغان ہوا! تم

